

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدّثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

جولائی / اگست ۲۰۱۸ء جلد نمبر ۱۹، شمارہ نمبر ۱۰ سلسلہ ۱۸۵

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون و فیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484

ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

اشتراک وتعاون

اندرون ملک:

فی شمارہ -/15 سالانہ -/150

خصوصی -/1000

تاحیات -/10000

بیرون ملک:

سالانہ: 20 امریکی ڈالر

خصوصی: 100 امریکی ڈالر

تاحیات: 500 امریکی ڈالر

Composed by: Umar Ilahi, Deoband # 9358013409

ورق در ورق

صریرخامہ

قند مکرر

مقالات و مضامین



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

انارکی، طوائف الملو کی قتل و غارت گری اور شدت پسندی کے الفاظ بچپن سے سنتا اور پڑھتا آ رہا ہوں، مگر ان کی واقعیت، اصلیت اور حقیقت اب سمجھ میں آ رہی ہے۔ بھاجپا حکومت کے چار برسوں نے کچھ اور سمجھایا ہو یا نہیں، ان الفاظ کے معانی نہ صرف سمجھا دیئے بلکہ ہمیشہ کے لئے یاد کرا دیئے ہیں۔ گذشتہ چار سالوں میں زہریلے بیانات، ان سے بڑھ کر نفرت انگیز تقریریں اور ان سے بھی گزر کر مار دھاڑ اور کشت و خوں کے مناظر ہی زیادہ دکھائی دیئے ہیں۔ پچھلے چند مہینوں سے ''ہجومی تشدد'' کا لفظ بھی روشنی میں آیا، ایک ایسا لفظ جس کا لغت کی کسی کتاب میں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ہجومی تشدد کی انگریزی تعبیر ''موب لنچنگ'' ہے۔ ایک بھیڑ آتی ہے اور ایک انسان کو نگل جاتی ہے۔ اتنی ضربیں لگاتی اور اتنی چوٹیں پہنچاتی ہے کہ جینے کے سارے امکانات معدوم۔ متاثر تڑپ تڑپ کر جان دیدے۔ سپریم کورٹ کی پھٹکار بھی انتہا پسندوں کے عزائم کو زیر نہ کر سکی۔

دادری کے محمد اخلاق پر جان لیوا حملے سے یہ مہم چلی اور اب تک چلی جا رہی ہے۔ گائے ذبح کرنے کا الزام دینے کے بعد محمد اخلاق پر مشتعل ہجوم ایسا ٹوٹا کہ وہ جاں بر نہ ہو سکے۔ یہ ۲۸ر ستمبر ۲۰۱۵ء تھا۔ پھر تو فرقہ پرستوں کو تشدد بلکہ دہشت گردی کی ایک نئی راہ اور کھلی آزادی مل گئی۔ ملک بھر میں اس طرح کے واقعات اب آئے دن ہو رہے ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق پچھلے چار سالوں میں مسلمانوں پر تشدد کے ۲۵۰ معاملات سامنے آئے، جب کہ ہجومی قتل کی واردات ۶۵ر مرتبہ۔ ۶۰ سے زیادہ افراد اس خوف ناک مہم میں اپنی جانیں گنوا چکے ہیں۔ گذشتہ ماہ ۲۰ر جولائی کو راجستھان کے الور ضلع میں ایک اور بھیانک تشدد روشنی میں آیا۔ ہریانہ کے میواتی علاقے کول گاؤں کا ایک شخص دودھ کے کاروبار سے وابستہ تھا۔ یہ محمد اکبر تھا، گایوں کی خرید کے لئے یہ الور چلا گیا، وہ واپسی کر ہی رہا تھا کہ نام نہاد ''محافظینِ گاؤ'' (گئو رکشکوں) نے گائے کی اسمگلنگ کا الزام دے کر اس پر حملے کر دیئے۔ اتنے اور ایسے تابڑ توڑ حملے کہ محمد اکبر زخموں اور ضربوں کی تاب نہ لا کر دنیا سے چل بسا۔ مقتول کی عمر صرف ۳۷ر برس تھی۔ یہ موت پولیس کی تحویل میں ہوئی۔ پورے گھر کی رونق اور

تازگی اسی سے تھی، اسی کی محنت مزدوری سے اس کا گھرانہ چل رہا تھا۔اس کے آٹھ بچے ہیں اوراب سب کے سب یتیم۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق اس کے ہاتھ پاؤں کی ہڈیاں توڑ دی گئیں تھیں۔جسم پرتشدد کے ایک دونہیں،۱۲؍نشانات تھے، راجستھانی وزیر داخلہ گلاب چند کٹاریا نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اس کی موت پولیس حراست میں ہوئی ہے۔خوب واضح ہے کہ ہجومی تشدد کے اس مذموم قضیے میں محافظین گاؤ کے ساتھ پولیس بھی شامل ہے۔اب تک چار پولیس اہل کاروں کے خلاف کارروائیاں ہوئی ہیں۔

الور کے اس سانحے نے مسلمانوں میں خوف و دہشت اور ملکی سیاست میں ایک بار پھر زلزلہ برپا کردیا۔ پارلیمنٹ کے حالیہ مانسون اجلاس میں اکبر کے بے رحمانہ قتل پر حزبِ اختلاف نے زبردست احتجاج کیا۔ دونوں ایوانوں میں اس وحشت ناک تشدد کے خلاف زوردار ہنگامہ آرائی ہوئی۔ ترنمول کانگریس نے اسے ملک کے آئینی نظام کے لئے خطرہ بتایا تو کانگریس نے ملزمان کے ساتھ پولیس کی سازباز کا الزام لگایا۔حکومت نے اس معاملہ پر داخلہ سکریٹری کی قیادت میں ایک کمیٹی تشکیل دی ہے جو چار ہفتوں میں اپنی رپورٹ پیش کرے گی۔ملک ہجومی تشدد سے سلگتا جارہا ہے اور بقول مرکزی وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ: اگر ضرورت پڑی تو حکومت اس کی روک تھام کے لئے قانون ضرور بنائے گی۔

سیاست کسی عہد میں خدمتِ خلق اور استحکام ِملک کا مترادف تھی۔اب منافقت، ابن الوقتی، وحشت انگیزی، نفرت پرستی سے عبارت ہے۔ پورا ملک ہجومی بربریت سے پریشان ہے۔آہوں، کراہوں اور فریادوں کی آوازیں ہیں۔لوگ اپنے عزیزوں،قریبوں اور سرپرستوں کو کھو رہے ہیں۔ایک ماتم سا بپا ہے۔ کتنے گھروں کے چراغ انہیں آندھیوں میں بجھ گئے،مگرارباب ِسیاست اپنے مقصد میں مگن ہیں اور قاتلین خوں ریزیوں میں۔ جسے دیکھئے وہی اس آگ کو ہوا دے رہا ہے۔طرفہ تماشا تو دیکھئے کہ فرقہ پرست تنظیم آر ایس ایس کے رہنما اور مسلم راشٹریہ منچ کے سرپرست اندریش کمار نے ہجومی تشدد کا ذمہ دار خود مسلمان کو ہی قرار دیدیا۔ وہ کہتا ہے کہ اگرچہ اس طرح کے اقدامات کو درست نہیں ٹھہرایا جاسکتا، مگر ایسے تشدد سے بچنے کے لئے لوگوں کا بیف سے دور رہنا ضروری ہے۔گویا مسلمانوں کا اصل جرم گوشت خوری ہے، لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ گئو رکشکوں کے ہر تشدد کو گاؤکشی سے مربوط کرنا کہاں کا انصاف ہے۔کیا گائے پالنا گئوکشی میں شامل ہے؟ گاؤکشی تو محض ایک بہانہ اور مسلم نسل کشی کی ایک علامت ہے، ورنہ تو دہشت گردوں نے بکرے اور بھینس کے گوشت پر گائے کا حکم لگا کر جو براحشر کیا ہے، تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔آر ایس ایس تو خیر غیر حکومتی تنظیم ہے، یہاں المیہ یہ ہے کہ خود زعفرانی حکومت کے ممبران بھی زہرافشانی سے باز نہیں آرہے۔معروف لیڈر ونے کٹیار کا کہنا ہے کہ:

''گاؤکشی کے حوالے سے لوگوں میں بیداری آئی ہے، اس لئے ہجومی شدت پسند کے واقعات بڑھ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اب سمجھنا چاہئے کہ اب ملک میں گائے کا قتل نہیں ہوسکتا۔''

راجستھان کے رام گڑھ کے ممبر اسمبلی کے بقول:

''قانون ہاتھ میں لینا غلط ہے، لیکن ہندوؤں کا خون بھی کھولتا ہے۔''

زعفرانی محاذ کے نمایاں ممبر پارلیمنٹ ہری اوم پانڈے نے تو دہشت گردی کی اس نئی شکل کی نہ صرف یہ کہ کھلے بندوں حمایت کرڈالی بلکہ اس کا ذمہ دار براہِ راست مسلمانوں کو ہی ٹھہرادیا۔ وہ کہتے ہیں کہ:

''ان واردات کی خاص وجہ مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہے۔''

مطلب صاف ہے کہ مسلمان مار بھی کھائیں، مسلمان جانیں بھی گنوائیں، واردات کا الزام بھی اپنے سر لیں اور مقدمات بھی انہیں کے خلاف دائر ہوں۔ اس جیسی منطق اس نگری میں تو چل سکتی ہے، جہاں اندھیریوں کے سائے ہوں اور راجہ چوپٹ قسم کا ہو۔ ہندوستان جیسے جمہوری اور کثیر المذاہب ملک میں اسے کوئی راہ نہیں مل سکتی۔

یہ حالات دیکھ کر ہر حساس شہری حیران ہے اور خون کے آنسو رو رہا ہے۔ لوگوں میں خوف کا ماحول ہے، دوستانہ فضا زہر آلود ہوچکی۔ عدل وانصاف تو کبھی کا مرحوم ہوچکا۔ اب دور بھیڑ کا ہے، وہ جسے چاہے، جس جگہ چاہے اور جس وقت چاہے اپنی حیوانیت کی بھینٹ چڑھا ڈالے، بہت ہوچکا۔ اب ضرورت ہے کہ بیان بازی بند کی جائے، اس پر قدغن لگانے کے لئے سخت قانون بنایا جائے، ملزمان کے خلاف فوری کارروائی ہو، ورنہ حکومت کے تئیں بداعتمادی کی فضا سنگین روپ لے لے گی اور ملک سالمیت کے لئے ہمیشہ کو ترس جائے گا۔



۲۰۱۹ء کا الیکشن ابھی کئی ماہ دور ہے، مگر اس کی تیاریاں زور وشور سے جاری ہیں۔ مودی حکومت دوسری میعاد کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔ یہ زور زبانی ہے اور اقدامی بھی۔ روزمرہ کے ناخوش گوار واقعات، فرقہ وارانہ ہم آہنگی مخالف بیانات، تیکھے اور جارحانہ تبصرے اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ انتخابات سے قبل اس طرح کی چیزیں زمین ہموار کرتی اور نتائج اگاتی ہیں۔ پچھلے چار برسوں میں زعفرانی ٹولے نے اگرچہ دن بدن کامیابی کے اسفار طے کئے اور کئی ریاستوں میں اس کی حکومتیں بنیں، تاہم عوام وخواص میں مرکزی حکومت کے تئیں بے اعتمادی صاف واضح ہے۔ کرناٹک اسمبلی انتخابات میں بھاجپا کی کمزوری مزید کھل کر سامنے آئی ہے۔ بڑی پارٹی کے طور پر ابھرنے کے باوجود اس کی حکومت ایک دن سے زیادہ نہ چل

سکی، کیوں کہ اکثریت ثابت کرنا یدی یورپا کے لئے پنگھٹ کی ڈگر بن گیا۔اس کے علاوہ ضمنی انتخابات میں پے در پے شکستوں نے زمینی حقائق سمجھا دیئے ہیں۔بھگوا جماعت کے پاس کامیابی کا اب کوئی مثالی راستہ نہیں رہ گیا۔لامحالہ اسے ہندو مسلم کارڈ کے سہارے ہی آگے بڑھنا ہے۔چناں چہ طلاقِ ثلاثہ، گاؤکشی، حلالہ، تعدد ازدواج، اذان، قبرستان اور ان جیسے نفرت انگیز موضوعات پر بحثیں چل رہی ہیں۔ٹیلی ویژن اور سوشل میڈیا پر انہیں جیسے فساد انگیز موضوعات پر خیالات کے تبادلے ہو رہے ہیں۔اصل موضوعات سے اسے کوئی سروکار نہیں۔کسان بھوکوں مر رہے ہیں، اقتصادیات کمزور پڑ رہی ہیں، روزگار کے مسائل جوں کا توں حل طلب ہیں۔لوٹ مار اور قتل وغارت عام سی بات ہوگئی، خواتین کی عصمتیں محفوظ نہیں۔جوان، بوڑھی تو کیا، بچیوں تک کی عصمتوں کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔دلتوں، خانماں بربادوں، بادیہ نشینوں اور اقلیتوں پر حملوں کی تو کوئی گنتی ہی نہیں اور تو اور، آئینی ادارے تک انتہا پسندوں کی دستبرد میں ہیں۔وکلاء کا احتجاج اور ان کے تحفظات آپ نے پچھلے شمارے میں پڑھ چکے ہیں۔مالی خورد برد کے واقعات سے بھی ملک کا سر شرم سے جھکا ہے۔وجے مالیا، نیرو مودی، اسی طرح کئی سرمایہ داروں نے ملک کو لوٹا اور بیرونِ ملک فرار ہو گئے۔بیرون سے کالا دھن کی واپسی کا خواب دیکھنے والی جماعت نئے نقصانات پر بھی قدغن نہ لگا سکی اور اربوں روپئے کی اقتصادی مار ملک کو جھیلنی پڑی۔

ادھر اپنے ان سیاہ کارناموں کی پردہ پوشی کے لئے برسرِ اقتدار جماعت الٹے سیدھے ہر ہتھکنڈے اپنا رہی ہے اور اُدھر ملک کی اپوزیشن پارٹیاں نئی سیاسی صف بندی میں مصروف۔گجرات الیکشن میں نئے جوش وجذبے کے ساتھ اترنے والے کانگریسی رہنما رفتہ رفتہ اپنی سیاست کو مزید پختہ کر رہے ہیں۔راہل گاندھی نے سیاست کے عہدِ طفولیت سے نکل کر عہدِ شباب میں قدم رکھ یا ہے۔ان کے بیانات پہلے سے زیادہ محکم اور ہوش وگوش سے مملو ہیں۔ان کی بصیرت میں غیر معمولی ابال اور ابھار آیا ہے۔ان کی یہی نمود دیکھ کر دوسری جماعتوں نے ان کی طرف اپنے قدم بڑھائے ہیں۔پچھلے ماہ ۲۱؍جولائی کو کانگریس کے اعلیٰ پالیسی ساز ادارے کانگریس ورکنگ کمیٹی نے مشاورتی اجلاس کا انعقاد کیا، جس میں ہم خیال جماعتوں کے ساتھ لوک سبھا انتخابات لڑنے کا اہم فیصلہ کیا گیا۔موجودہ حکومت کی خودسری سے پریشان سیاسی جماعتیں پوری قوت کے ساتھ میدان میں اترنے اور کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہیں۔گرچہ کسی نے بھی وزارتِ عظمیٰ کے لئے کوئی امیدوار نامزد نہیں کیا، تاہم اپوزیشن اتحاد سازی اور اس کے استحکام کے لئے حکمتِ عملی اپنا رہی ہے۔کارناموں اور ترقیات کی بنا پر اگر اگلا الیکشن لڑا گیا اور فرقہ واریت کو راہ نہ دی گئی تو یہ نیا سیاسی اتحاد زعفرانی جماعت کی بساط لپیٹ بھی سکتا ہے۔

❁ .... ❁ .... ❁

ہندوستان میں لوک سبھا انتخابات میں ابھی وقت ہے، مگر ہم سایہ ملک پاکستان میں پارلیمانی انتخابات منعقد ہوئے اور ۲۵؍جولائی کو ان کے نتائج بھی آ گئے۔ تحریک انصاف پارٹی نے توقع کے برخلاف ریکارڈ کامیابی حاصل کی۔ عمران خان کے زیر قیادت تحریک انصاف کے نتائج اتنے حیران کن رہے کہ بڑے بڑے سیاسی ماہرین بھی حیران و ششدر۔ مسلم لیگ اور متحدہ مجلسِ عمل سمیت ساری سیاسی جماعتیں منہ کے بل گر گئیں۔ افسوس ناک تو یہ کہ علماء طبقہ کو پوری طرح مسترد کر دیا گیا۔ مولانا فضل الرحمٰن اور سراج الحق صاحبان جیسے قد آور سیاست داں بھی اپنی نشستیں نہ بچا سکے۔ ان نتائج پر وہاں کی سیاسی جماعتوں کو تحفظات ہیں، چناں چہ انہوں نے علی الاعلان یہ الزام بھی لگا دیا ہے کہ انتخابات شفافیت سے کوسوں دور رہے۔ وزارتِ عظمیٰ کے لئے تحریک کے سربراہ مسٹر عمران خان کی ۱۱؍اگست کو تاج پوشی ہوگی۔

عمران خان نے اپنی فتح کے بعد ہمسایہ ملک سے اچھے رشتے کی پیش کش کی ہے، بالخصوص ہندوستان سے دونوں ممالک کی دوریاں کم کرنے کی بات کی ہے۔ ہندوستان نے بھی ان نتائج کا خیر مقدم کیا ہے اور فون کر کے عمران خان کو مبارکباد بھی دی ہے۔ اندازہ تو یہ بھی ہے کہ تاج پوشی کی اس تقریب میں وزیر اعظم مودی بھی شریک ہوں۔ کشمیر کے میر واعظ فاروق اور سابق وزیر اعلیٰ عمر عبداللہ نے حکومتِ ہند کو عمران خان کی پیشکش کا استقبال کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ کشمیر جنت نظیر تقریباً پون صدی سے آزمائش کے تھپیڑوں میں ہے۔ بدامنی عام ہے، حالات ناگفتہ بہ ہیں، معمولاتِ زندگی شدید طور سے متاثر ہیں، جانوں کا زیاں روز کی کہانی ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ دونوں ممالک بیٹھ کر مذاکرات کی راہ اپنائیں اور کشمیر کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے صاف کر دیں، ورنہ یہ دردِ سر ہمسائیگی کے رشتے کو مزید تلخ کرتا رہے گا۔ توقع کی جا سکتی ہے کہ آئندہ اس کا کوئی حل ہمارے سامنے آ جائے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ کشمیریوں سمیت سبھی کے لئے راحت بخش اقدام ہوگا۔



آسام کی دھماکہ خیز اور تازہ صورتِ حال نے ملک کے مسلمانوں کو مزید بے چین کر دیا ہے۔ آسام کے قومی شہری رجسٹر (این آر سی) میں چالیس لاکھ مسلمانوں کے اندراج نہ ہو سکا، نتیجتاً اتنی بڑی تعداد ہندوستانی شہریت سے محروم ہو گئی ہے۔ یہ سارا عمل سپریم کورٹ کی نگرانی میں انجام دیا گیا۔ این آر سی میں ان تمام ہندوستانی شہریوں کے نام شامل کئے جانے تھے جو ۲۵؍مارچ ۱۹۷۱ء سے پہلے سے آسام میں رہتے آئے ہیں۔

این آر سی کی کل ملا کر دو فہرستیں جاری ہوئیں، ان میں سے پہلی فہرست ۳۱؍دسمبر ۲۰۱۷ء اور یکم جنوری کو جاری کی گئی تھی، جب کہ آخری اور حتمی فہرست ۲۹؍جولائی ۲۰۱۸ء کو۔ اس رجسٹر میں اپنے ناموں کی شمولیت کے لئے تین کروڑ انتیس لاکھ لوگوں نے درخواستیں دی تھیں جن میں سے صرف دو کروڑ نواسی لاکھ

افراد کے نام شامل ہوئے اور ۴۰/۴۱ لاکھ مسلمان کسی بھی فہرست میں اپنی جگہ نہ بنا سکے۔ حیرت تو اس پر ہے کہ پہلی فہرست میں آسام کے سیاسی رہنما اور یوڈی ایف کے سربراہ مولانا بدرالدین اجمل صاحب کا نام بھی شریک نہیں تھا۔ اب چالیس لاکھ مسلمانوں کی موت و حیات کا مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے۔ ایک بحران برپا ہے۔ ادھر بنگلہ دیشی وزیراعظم نے دوٹوک کہہ دیا ہے کہ وہ ۴۰/لاکھ افراد ہمارے نہیں۔ شہریت سے محروم مسلمانوں کے لئے آگے کنواں، پیچھے کھائی جیسا معاملہ درپیش ہے۔ ملک کے زہریلے سیاست دانوں کو ایک بار پھر موقع مل گیا۔ حیدرآباد اسمبلی کے بھاجپا رکن راجہ سنگھ نے زہر اگل دیا، وہ کہتے ہیں کہ اگر روہنگیا مسلمان اور بنگلہ دیشی اپنے وطن واپس نہیں جاتے تو انہیں گولی ماردو۔

یہ آخری فہرست بھی عجیب وغریب ہے۔ غلطیاں در غلطیاں بیوی کا نام شامل ہے تو شوہر کا غائب، شوہر کا نام موجود ہے تو بیوی ندارد۔ اسی طرح خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ یہی قصہ ہے۔ والد شامل ہے تو بیٹا غیر موجود۔ فہرست اگرچہ حتمی ہے مگر اشکالات کے حل کے لئے تھوڑی گنجائش بھی رکھی گئی ہے۔ این آرسی کے کوآرڈی نیٹر پرتیک ہجیلا نے کہا ہے کہ ڈرافٹ میں جن لوگوں کے نام موجود نہیں وہ قطعی نہ گھبرائیں بلکہ متعلقہ سروس مراکز میں ایک فارم بھر کر اپنی شہریت کا دعویٰ دائر کریں۔ یہ فارم ۲۸/اگست سے ۲۸/ستمبر کے درمیان دستیاب ہوں گے اور حکام کو انہیں اس کی وجہ بتانی ہوگی کہ ڈرافٹ میں ان کے نام کیوں رہ گئے؟

این آرسی کے اس نئے بحران کے بعد دنیائے سیاست میں ایک بار پھر ہلچل ہے۔ اپوزیشن پارٹیاں بھاجپا کے خلاف زوردار حملہ آور ہیں۔ انہوں نے دونوں ایوانوں میں بھی اس حساس معاملے کو اٹھایا۔ بالخصوص ترنمول کانگریس کی ممتا بنرجی نے شدید احتجاج درج کرایا ہے۔ سیاسی مبصرین آسام کے اس اقدام کو خالص سیاست زدہ قرار دے رہے ہیں۔ افسوس اس کا بھی ہے کہ ریاست کے سابق وزیراعلیٰ اور کانگریسی رہنما ترون گگوئی نے بھی اس مسئلے پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ ان کے بقول: این آرسی کا یہ خیال کانگریسی حکومت کا تھا۔ غور طلب ہے کہ پورے ہندوستان میں کہیں بھی ایسی فہرست جاری نہیں ہوئی۔ آسام پہلی ریاست ہے۔

مشکل کی اس گھڑی میں آسامی شہریوں سے گذارش ہے کہ آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ ۲۸/اگست سے ۲۸/ستمبر کے درمیان ایک ماہ کا وقت ہے، آپ فارم بھر کر اپنا اعتراض مضبوطی کے ساتھ رکھیں۔ مسلم تنظیمیں آپ کے ساتھ ہیں۔ لہٰذا آپ خاطر جمع رکھیں، سپریم کورٹ بھی آپ کے ساتھ کھڑی ہے۔ قانون کے دائرے میں رہ کر سارے امور انجام دیں۔

❀……✦……❀

(قسط:۹)

ذٰلِكَ الْكِتاب

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہٗ

معتزلہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ماقبل میں بتایا جاچکا ہے کہ اسماء ان آوازوں سے مرکب ہوتے ہیں جو فی نفسہٖ غیر مجتمع ہیں، جن کی حالت یہ ہے کہ تلفظ کرنے کے ساتھ ہی آواز فنا ہوجاتی ہے، مزید یہ کہ اقوام اور زمانوں کے تغیر سے اسماء بھی بدل جاتے ہیں جیسا کہ لفظ اللہ سریانی لغت میں لَاہٗ تھا اور فارسی میں خدا، ہندی میں ایشور وغیرہ۔ تو اگر آپ اسم اور مسمّٰی میں عینیت کے قائل ہیں تو اسماء کا اختلاف جو زمانہ اور اقوام کے اختلاف کا بھی نتیجہ ہے اس سے مسمّٰی بھی مختلف ہوگا، حالاں کہ خدا تعالیٰ کی ذات بلکہ دوسری ذوات میں تغیر نہیں ہے، اسی لئے ہم اسم اور مسمّٰی میں مغایرت مانتے ہیں تاکہ یہ خرابی سر نہ پڑے۔

معتزلہ اشاعرہ کی پہلی دلیل یعنی ذاتِ باری کی برکت اور اس کی تسبیح کا نظریہ اور ان ہر دو کا اسم سے متعلق نہ ہونا اور اس راہ سے اسم اور مسمّٰی کے درمیان عینیت کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ برکت اور تسبیح جس طرح ذاتِ باری کے لئے ہے خود ان اسماء کے لئے بھی ہے جو اس ذات مقدس کے لئے مستعمل ہیں، یہ اس لئے کہ جب اسماء ایک پاکیزہ تر ذات پر دال ہیں جس ذات کی برکات بھی مسلّم اور جس کا عیوب و نقائص سے پاک ہونا بھی تسلیم تو وہ خود اسماء بھی پاک ہونے چاہئیں، جنہیں ایسی پاکیزہ ذات کے لئے استعمال کیا جارہا ہے اور اشاعرہ نے جو دوسری دلیل دی تھی یعنی خدیجة طالق والی، اس کے جواب میں معتزلہ کہتے ہیں کہ مطلوب اس کا یہ ہے کہ المرأة المسماة باسم خديجة هی طالق یعنی جس عورت کا نام خدیجہ رکھا گیا ہے، اس پر طلاق واقع ہے، تو اسم خدیجہ پر طلاق نہیں، بلکہ ذات خدیجہ پر طلاق ہے۔

الحاصل معتزلہ نے اشاعرہ کی ہر دو دلائل کو غیر شافی ثابت کیا۔ قاضی صاحبؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسم کی عینیت یا غیریت کا جو اختلاف اشاعرہ اور معتزلہ میں بڑی اہمیت اختیار کرگیا وہ چنداں وقیع نہیں ہے بلکہ یہ لفظوں کی جنگ ہے، جس کے پس منظر میں تلاش کرنے پر کوئی حقیقت بھی مہیا نہ ہوگی، اس لئے کہ اسم

کی تین ہی صورتیں بنتی ہیں:

۱-اسم سے مراد لفظ اسم ہو تو بلا شبہ اسم مسمّٰی کے مغائر ہوگا، ان دلائل کی روشنی میں جو مغایرت کے نظریہ کے تحت پیش کئے گئے۔

۲-اسم سے اگر ذات شئے مراد ہے تو اسم و مسمّٰی میں عینیت ہوگی اور اس کے لئے وہی دلائل کار آمد ہیں جو بذیل عینیت گذرے۔ اگر چہ اس معنی کے لئے شہرت نہیں ہے۔

مزید قاضی صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ پیش کردہ دو آیات **تبارك اسم ربك وسبح اسم ربك** میں یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ اسم زائد ہو اور برکت و تسبیح کا تعلق براہِ راست حضرت حق تعالیٰ کی ذات سے ہو۔ کلام عرب میں اس کی نظیر بھی موجود ہے۔ مشہور شاعر لبیدؔ اپنے خاتمۂ عمر پر اپنے بیٹوں کو عرب جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنی موت پر نالۂ وشیون کی تلقین کرتے ہوئے ایک خاص مدت کے لئے اس شغل کا مطالبہ کرتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ میری موت پر تمہارا اتنی مدت تک مصروف بکا رہنا میرے باپ ہونے کا تقاضا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا:

الی الحول ثم اسم السلام علیکما ☆ ومن یبکی حولاً کاملاً فقد اعتذر

(میری موت پر مکمل ایک سال گریہ و بکا کرنا اور میرے اوصاف کو بیان کرنا اس کے بعد میری تمہارے لئے دعاء سلامتی ہے چوں کہ تم نے میرا حق ادا کر دیا اور جو شخص کسی کی موت پر ایک سال کی طویل مدت روتا رہے اور بعد میں اس سلسلے کو منقطع کر دے تو وہ معذور ہے) اس شعر میں لفظ اسم زائد ہے علیٰ ہذا آیتین میں بھی، ہم لفظ اسم زائد مان سکتے ہیں اور چوں کہ قرآن کریم عرب کے اسلوب پر نازل ہوا، اس لئے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۳-اور اگر اسم سے صفت مراد لی جائے اور شیخ ابوالحسن اشعری کے خیال کے مطابق صفت کے معنی **ما یدل علی ذات مبھمة متصفة ببعض صفاتھا** (جو دلالت کرے ایسی ذات پر جو مبہم ہو اور بعض صفات کے ساتھ متصف ہو) لئے جائیں تو صفت کی دو قسمیں ہوں گی۔ مشتق اور غیر مشتق۔ اگر مشتق ہے تو اس کی دلالت ان صفات پر ہوگی جو اپنے اظہار کے لئے مفعول کی مقتضی ہیں: صفتِ اضافی جیسے خدا تعالیٰ کا خالق ہونا اور رزاق ہونا کہ خالقیت بغیر مخلوق کے سمجھ میں نہیں آتی اور رزاقی کے لئے مرزوق کا ہونا ضروری ہے یا ایسی صفت پر دلالت ہوگی جو خدا تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے، اس کی بھی پھر دو صورتیں ہو جائیں گی۔ ایک وہ صفت جو خدائے تعالیٰ کی عین ذات ہے۔ مثلاً وجودِ خدا کہ وجود اور ذاتِ خدا دونوں ایک

دوسرے کے عین ہیں۔ دوسری وہ صفت جسے نہ عین کہا جا سکے نہ غیر، مثلاً علمِ خدا اور قدرتِ خدا۔

اس تفصیل کے بعد فیصلہ کیجئے کہ آیا صفتِ اضافیہ مراد لی جا رہی ہے تو پھر وہ لازماً غیر ذات ہوگی اور یہ بھی طے کرنا ہوگا کہ آپ اسم سے کیا صفت مراد لیتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو صفات کی بھی تین قسمیں تھیں۔ اسم کو صفت کے معنی میں لینے پر اسم میں بھی وہی تین قسمیں جاری ہوں گی، گویا کہ قاضی بیضاویؒ کے نقطۂ نظر سے معتزلہ واشاعرہ کا اختلاف حقیقی بنیادوں پر نہیں بلکہ لفظی ہیر پھیر کا نتیجہ تھا۔

و انما قال بسم الله ولم يقل بالله لان التبرك والاستعانة بذكر اسمه او للفرق بين اليمين والتيمن ولم يكتب الالف على ماهو وضع الخط لكثرة الاستعمال و طولت الباء عوضاً عنها.

ترجمہ : قرآن پاک میں **بسم الله** ہے یعنی آغاز بنام خدا، باللہ نہیں کہا گیا، یعنی آغاز بخدا، یہ اس لئے کہ حصولِ برکت اور حصولِ اعانت بندہ کی جانب سے اسم کے لفظ کو بڑھا کر ہی حد و ادب میں رہتی ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ باء یمین اور تیمن میں فرق کر رہی ہو۔ باسم اللہ کی الف کتابت میں ظاہر نہیں کی گئی حالاں کہ رسم الخط کا تقاضا یہی تھا۔ یہ کثرتِ استعمال کا نتیجہ ہے اور جو الف (اسم کی) حذف کر دیا گیا اس کے عوض میں **باء الداخلة على اسم الله** کو کشیدہ لکھ دیا گیا۔

تشریح : یہ اصل میں ایک اشکال کا حل ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ: اگر آپ خدا کے نام سے برکت اور اسی سے مدد چاہتے ہیں تو لفظ باء کو کسی واسطہ کے بغیر اللہ پر داخل کیا جانا چاہئے تھا۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ کی ذات والا صفات بے مثال و بے نظیر ہے، جس کی قدرتیں بھی ہمارے وہم و گمان سے بالا ہیں، اس لئے حصولِ برکت یا طلب امداد کسی وسیلہ کے بغیر ایک نازیبا جرأت ہوتی، دنیا میں بھی عظیم ہستیوں کی جناب میں بغیر وسائل کے کام نہیں چلتا اور آدمی بطور خود باریاب ہونے کی ہمت نہیں کرتا، پھر حضرت حق جل مجدہٗ کا معاملہ وراء الوریٰ ہے، اس لئے خدا تعالیٰ کے نام ہی کو واسطہ بنا لیا گیا ہے۔ نتیجتاً باء اسم پر داخل ہونی چاہئے نہ کہ اللہ پر۔

اشکال کا دوسرا حل یہ ہے کہ باء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تسمیہ اور دوسری تیمینیہ۔

تسمیہ وہ جس سے قسم کھائی جائے اور جو یمین و برکت کے حصول کے لئے ہو وہ تیمینیہ ہے۔ اگر باء لفظ اللہ پر داخل کر دی جائے تو اسے باء تسمیہ سمجھ لیا جاتا ہے حالاں کہ ایسا نہیں ہے، اور جب کہ لفظ اللہ پر باء داخل نہیں ہوئی بلکہ لفظ اسم پر داخل ہے تو یہ واضح ہو گیا کہ یہ باء تیمینیہ ہے، بلکہ یہ نکتہ بھی واضح ہو گیا کہ خدائے

تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں بھی وہ زور ورفعت ہے کہ ان سے بھی برکت کا حصول واستعانت کی جاسکتی ہے۔ اسماءِ حسنیٰ کوبطورورد ووظیفہ پڑھنااور پھراس پرمرتب آثاروخواص مشاہد ہیں، مثلاً رزق کی کمی کی صورت میں یارزّاق یارزّاق کا وظیفہ پڑھاجاتا ہےاور بجائے خود کارآمد ہےتو اس سے معلوم ہوا کہ اسماءِ خداوندی میں بھی ایک نرالی شان ہے۔

ولم یکتب الالف. یہ گفتگو رسم الخط سے متعلق ہےاور قاضی صاحبؒ نے اسے ایک اشکال اور حل کی شکل میں پیش کیا ہے۔قاعدہ یہ ہے کہ جن اسماء کے شروع میں ہمزۂ وصل ہوتا ہےتو وہ یا ابتداء کلام میں ہوگا یا درمیان میں۔اگر ابتداء میں ہوتو ہمزۂ وصلی لکھا بھی جائے گا اور پڑھا بھی جائے گا اور اگر درمیان میں ہوگا تو لکھا ضرور جائے گا لیکن پڑھا نہیں جائے گا جیسا کہ اقــرأ بـــاســم ربك. بسم اللہ میں جب ہمزہ درمیان میں ہےتو پڑھا تو نہ جاتا لیکن اسے لکھنا چاہئے تھا حالاں کہ لکھا بھی نہیں گیا۔اس کا حل یہ پیش کیا گیا کہ جب کسی چیز کا استعمال بہت بڑھ جاتا ہےتو اس میں کچھ خفت کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہر مسلمان ہر کام کے آغاز میں بسم اللہ پڑھتا ہے، جس کا حدیث میں حکم بھی ہے، تو بسم اللہ کثیر الاستعمال ہوئی اور طلب خفت ہوئی، یہ خفت کبھی اس طرح بھی حاصل کی جاتی ہے کہ کسی حرف کو حذف کردیا جائے، نیز کبھی محذوف کو قطعاً فراموش کردیتے ہیں اور کبھی حذف کے باوجود کوئی قرینہ ایسا چھوڑ دیتے ہیں جو قبل الحذف اس کے وجود پر دلالت کرے۔مثلاً دربارشاہی سے بادشاہ کے اٹھ جانے کے بعد شاہی کرسی رکھی جائے یا کرسی بھی اٹھالی جائے کرسی کا موجود ہونا اس بات کی علامت ہے کہ کچھ پہلے خود بادشاہ موجود تھا، یہاں بھی اگرچہ ہمزۂ وصلی کو حذف کیا گیا مگر اس کے حذف پر ایک قرینہ چھوڑ دیا گیا اور وہ اس طرح کے باء کی کشش کو بھرپور اٹھادیا گیا تاکہ اس کی دلالت ہمزہ پر باقی رہے۔

بعض علماء کی رائے یہ بھی ہے کہ باء کی کشش بھرپور اس لئے ہے کہ قرآن مجید کا آغاز پرشکوہ انداز میں ہے۔عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ جو امیر المؤمنین ہونے کے ساتھ بڑے دانشور اور اسلام کی رفعتوں کے لئے ہمہ تن ساعی رہتے۔انہوں نے فرمایا کہ بسم اللہ کی باء کو کھینچ کر لکھو اور سین کو بھی واضح کرو اور میم بھی نمایاں ہونا چاہئے۔خدا تعالیٰ کی کتاب کی عظمتوں کا یہی تقاضا ہے۔حضرت کا یہ ارشاد قرآن کریم کی کتاب کے بارے میں ایک نئی روشنی دیتا ہے، بلکہ راقم الحروف تو اسی مقولہ کی پشت پناہی حاصل کرکے یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ قرآن کریم کی طباعت وکتابت میں عصری کتابتوں کا بہترین نمونہ اختیار کیا جائے اور اس کی تزئین و آرائش میں بلیغ کوشش ہوتا کہ کلام اللہ کی عظمتیں ظاہر وباطن ہر دو حیثیتوں سے نمایاں ہوسکیں۔

❁……✦……❁

مساواتِ مردوزن کا صحیح مفہوم

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

مساواتِ انسانی انسانوں میں حسن وکمال ہے لیکن اگر یہی مساوات زن وشوہر میں قائم کردی جائے تو اس کی بدنمائی اور بداطواری کی وہی مثالیں سامنے آئیں گی جس کی قدرے تفصیل آپ کی نظر سے گذر چکی ہے، جس سے نہ صرف منزلی زندگی ہی بدنما اور تباہ ہوجائے گی بلکہ پورے اسلامی معاشرے کا حسن ہی ختم ہوجائے گا۔

غور کیا جائے تو مدعیانِ مساوات کا بھی وہ مخفی منصوبہ جس کے لئے یہ فقہی اور دینی مسائل کی ترمیم کا قضیہ اٹھایا جارہا ہے تا کہ مساوات کے خوشنما عنوان سے ایک طرف تو سادہ لوح عوام کو فریب میں مبتلا کر کے انھیں نہ صرف شرعی نکاح وطلاق ہی سے بلکہ اس راستہ سے مسلم معاشرے سے ہی بیزار بنایا جاسکے جس سے وہ بآسانی مسلم پرسنل لاء سے ہی ہٹ کر سول کوڈ کی گود میں جاگریں اور دوسری طرف طبقۂ نسواں کو یہ عار دلا کر مشتعل کیا جاسکے کہ نکاح وطلاق کے حقوق پر مردوں نے بلاوجہ غاصبانہ قبضہ کر کے عورتوں کو بے دست وپا بنا رکھا ہے، جس سے روز بروز عورتیں پستی اور ذلت کے غار میں گرتی چلی جارہی ہیں، جب تک وہ اس صریح ظلم کے خلاف علمِ بغاوت بلند نہ کریں گی ان کی یہ پستی مبدل بہ عزت نہ ہوسکے گی۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اس تیسری بنیاد کی حقیقت بھی واشگاف کی جائے تا کہ اس مساوات کے نام پر فریب کا جو جال بچھایا گیا ہے اور اسکے بے محل استعمال سے غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط دکھلانے کی جو سازش وسعی کی جارہی ہے وہ بھی کھل کر وضع الشئ فی غیر محلّہ نکلے۔

مساوات کی شرعی حیثیت

جہاں تک انسانی مساوات کا تعلق ہے وہ بلا شبہ انسانوں کا ایک ایسا فطری حق اور پاکیزہ اصول ہے کہ کوئی بھی انسانی طبقہ جس کی فطرت بیمار ہوکر ناقابلِ علاج نہ ہوچکی ہو، اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ دین تو بجائے خود ہے دنیا کا بھی کوئی انسانی گروہ اور بشری حلقہ اس فطری حق سے دست بردار ہونے کے لئے تیار

نہیں ہوسکتا۔آج کے غیر متوازن دور میں بھی حکومتیں اورقومیں جب اپنا سراونچا کرنا چاہتی ہیں تو مساوات کا جاذبِ قلوب نعرہ لگا کراور یہ کہہ کر سراونچا کرتی ہیں کہ ان کی اورانکے قانون کی نگاہ میں سارے انسان برابراورسب کے انسانی حقوق یکساں ہیں،جس میں مذہب وملت کی کوئی تخصیص نہیں ۔کوئی عالم ہو یا جاہل، ذکی ہو یا غبی،فقیر ہو یاغنی،شہری ہو یا دیہاتی، بوڑھا ہو یا جوان،مرد ہو یا عورت،ملکی تمدنی حکومتی قانون اورانسانی حقوق میں سب برابراور یکساں ہیں۔

ظاہر ہے کہ انسان کا یہ ایک فطری جذبہ ہے جسے اسلام کبھی نظر انداز نہیں کرسکتا تھا کہ اس کا موضوع ہی فطری جذبات کومٹانے یا دبانے کے بجائے ٹھکانے لگانا ہے، بلکہ نظر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ انسانی مساوات کا نعرہ ہی اسلام نے لگایا ہے، ورنہ عام طور پر دنیااونچ نیچ اورنا برابری کا شکار بنی ہوئی تھی۔ اسلام نے نہ صرف یہ نعرہ ہی لگایا ہے بلکہ اس کی تکمیل بھی کی ہے اوراس کی حدودوشروط اورمواقع استعمال کامکمل پروگرام بھی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

دینی مقامات اور مذہبی فرائض ہوں یا دنیوی معاملات اور معاشرتی واجبات سب میں مردوعورت کا استحقاق یکساں قائم کیا ہے اورسب کو برابر سرابراُن میں ترقی کے مواقع دیئے ہیں۔دینیات کولوتو جوعقیدہ وعمل مرد کے لئے ہے وہی عورت کے لئے بھی ہے،اسلام وایمان،عبادت وطاعت،صدق وصفا،صبر ورضا، خشوع وخضوع،صدقہ وخیرات،صلوٰۃ وصوم،عفت وپاکدامنی، ذکر وفکر جومرد کے لئے ہے وہی عورت کے لئے بھی ہے۔پھراس پر مغفرت واجر کے جووعدے مرد کے لئے ہیں وہی عورت کے لئے بھی ہیں جیسا کہ آیتِ کریمہ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنِ وَالْمُؤْمِنَاتِ (الاحزاب۳۵) سے واضح ہے ،جس میں تمام دینی مقامات کا استحقاق بصراحتِ مردوعورت یکساں رکھا گیا ہے۔اسی طرح تعلیم واخلاق کی تربیت اورٹریننگ اوران میں انتھک بڑھتے رہنے کے مواقع حتیٰ کہ ولایتِ کاملہ تک پہنچ جانے کے مقامات میں مردوعورت یکساں رکھے گئے ہیں۔اس کا یہ اثر ہے کہ اسلام میں مردوں کے دوش بدوش ہزار ہاعورتیں عالمہ وفاضلہ،محدثہ وفقیہہ،ادیبہ وشاعرہ اورصوفی وصافی بنیں جن پر مستقل کتابیں لکھی گئیں اوران فاضل عورتوں کی سوانح عمریاں مرتب ہوئیں۔

پھرجس طرح ان معروفات میں مردوعورت برابر کے حقدار بنائے گئے اسی طرح منکرات سے بچنے اوران کے ارتکاب پرسزاوتعزیر میں بھی سب برابر ہی رکھے گئے۔جھوٹ،غیبت،افترا وبہتان چغل خوری وفریب کاری،قتل وغارت گری،زنا وشراب خواری،قمار بازی،فحش وبے حیائی،سفلہ پن اورعریانی وغیرہ

جرائم جس طرح مرد کے لئے ممنوع ہیں اسی طرح عورت کے لئے بھی حرام کئے گئے، اوران کے ارتکاب پر جوحدود وتعزیرات عائد کی گئیں وہی عورتوں پر بھی لاگو ہوئیں۔

پھر نہ صرف دیانات واخلاق بلکہ معاملات ومعاشرات وغیرہ میں بھی مردوعورت کا یکساں ایک ہی قانون ہے، مال ودولت، ساز وسامان، نقود وجواہرات، زمین وجائداد، کھیتی اور باغات کی ملکیتیں نیز وسائلِ معاش، تجارت وزراعت، صنعت وحرفت اور تمام جائز پیشوں اورفنون کی مہارت اوران سے حسبِ حال انتفاع میں جیسے مرد آزاد ہے ایسے ہی عورت پر بھی کوئی روک ٹوک نہیں اور ہر ایک اپنے کسب واکتساب کے ثمرہ کا خود ہی مالک رکھا گیا ہے۔قرآنِ حکیم کی عمومی ہدایت ہے کہ:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ مِمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا. (النساء:۳۲)

مردوں کے لئے ان کے کسب کا حصہ ہے اورعورتوں کے لئے ان کے کسب کا،تم اللہ سے (کسب کے راستہ سے) اس کا فضل مانگتے رہو، وہ تم سب پر (یکساں) رحیم (اور مہربان) ہے۔

پس مرد کو یہ حق نہیں کہ عورتوں کی مِلک یا ان کے کسی کمائے ہوئے مال پر دانت رکھے یا دباؤ سے اس پر قبضہ جما بیٹھے، حتیٰ کہ بیوی کی ذاتی املاک کے علاوہ جسے وہ اپنے میکہ سے لائی ہو یا اپنی محنت سے خود پیدا کیا ہو، یا خود خاوند بھی اگر کسی شئے کا بیوی کو مالک بنادے تو بغیر اس کی رضا یا بغیر کسی شرعی وجہ کے اسے بھی لے لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔پھر جس طرح وہ اپنے کسی تلف کردہ حق پر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے ایسے ہی عورت بھی اس بارے میں خودمختار ہے،اس موقعہ پر ممکن تھا کہ شوہر کہ یہ غلط فہمی پیدا ہوجاتی کہ جب بیوی اس کے زیرِ کفالت اور تحتِ قبضہ ہے تو اس کی املاک بھی اور بالخصوص جو خاوند ہی نے اسے ہبہ کی ہیں اس کے زیرِ قبضہ ہونگی اوراسے ان میں تصرف کا حق حاصل ہوگا،تو قرآن کریم نے خاص طور پر اس تخیل کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ. (النساء:۱۹)

اوران عورتوں (بیویوں) کو قید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے انھیں دیا ہے اس میں کا کچھ حصہ وصول کرلو،مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی کھلی ناشائستہ حرکت (جیسے دو بدو نافرمانی یا کھلی بدخلقی اور کجروی) کریں۔

اس سے صاف واضح ہے کہ شوہر کی طرف سے زوجہ کو دیا ہوا مال بھی مثل مہر وغیرہ عورت کی ملک ہوجاتا ہے جس میں خاوند کو چھینا جھپٹی کا قطعاً کوئی حق نہیں۔اس سے عورت کا حق ملکیت ویسا ہی مستقل

ثابت ہوتا ہے جیسا خاوند کا خود اپنی املاک پر ہوتا ہے۔ رہا یہ کہ کسی کھلی ناشائستہ حرکت پر اسے دیا ہوا مال اس سے واپس لے لینا ملک میں تصرف نہیں بلکہ ازالہ مُلک ہے جو بطور سزا وتعزیر کے ہے، یعنی دیئے ہوئے مال کو اس کی ملک سے نکال لینا ہے نہ کہ مملوک رہتے ہوئے اس میں تصرف کرنا ہے، اور وہ بھی باجازتِ قرآنی ہے نہ کہ شوہر کا جذباتی حق۔

بالفاظِ دیگر جس خدا نے شوہر کے عطیہ سے شوہر کی ملک اٹھا کر بیوی کی طرف منتقل فرمادی تھی اس خدا نے اس صورت میں بیوی کی ملک اٹھا کر پھر شوہر کی طرف منتقل کردی کہ ہر چیز اسی کی ملک ہے خواہ بلا واسطۂ عبد ہو یا بواسطۂ عبد، پھر دوسری جگہ عورت کی ملکیت کے استقلال کے بارے میں عام الفاظ میں فرمایا گیا کہ مہر ہو یا ہبہ جب دیدیا جائے تو شوہر کو خود سے یہ سمجھ کر واپس لینا جائز نہیں کہ وہ شوہر ہے اور شوہر کو جب بیوی پر اقتدار وتصرف حاصل ہے تو بیوی کی املاک پر بھی علی الاطلاق حق تصرف حاصل ہوگا۔ فرمایا:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا. (النساء:۲۰)

اور اگر تم بجائے ایک بیوی کے دوسری بیوی کرنا چاہو اور تم اس (پہلی) کو انبار کا انبار مال (مہر یا غیر مہر) دے چکے ہو تو اس میں سے (طمع ولالچ سے یہ سوچ کر کہ پہلی کو دیئے ہوئے میں سے لے کر دوسری کا مہر ادا کریں گے) کچھ بھی مت لو۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ اداشدہ مہر یا بطور محبت ومواسات دیا ہوا مال کتنا بھی زیادہ ہو تمہیں محض زوجیت کے اقتدار سے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسے واپس لے لو، جب کہ وہ اس کی ملک ہو چکا ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ عورت کا حقِ ملک بھی مرد کے حقِ ملک کی طرح مستقل ہے۔

غرض اسلام نے ہر ایک کے حقِ ملک کو مساویانہ طرز پر مستقل قرار دے کر زن وشوہر میں سے کسی کو کسی کے حق میں زبردستی کی مداخلت کا کوئی حق نہیں دیا، جو اسلام کی مساوات پسندی بلکہ مساوات آفرینی کا واضح نشان ہے۔ پھر اسی طرح وراثت میں مرد وعورت کا یکساں استحقاق قائم کیا گیا، حصوں اور مقداروں کی کمی بیشی دوسری چیز ہے جو خود مردوں میں بھی حسبِ قرب وبعد رکھی گئی ہے، لیکن نفس وراثت اور اس کے حق دار ہونے میں مرد وعورت میں کوئی تفاوت نہیں، یہ نہیں کہ ماں باپ وغیرہ کے ترکہ میں نرینہ اولاد تو وارث ہو اور دختری اولاد نہ ہو، بلکہ حسبِ درجۂ استحقاق وراثت میں برابر کے حق دار رکھے گئے ہیں۔ ارشادِ حق ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

وَالْاَ قْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ، نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا. (النساء:۷)

مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں۔ خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر، حصہ قطعی۔

اسی طرح انسانی احترام میں مرد وعورت یکساں ہیں، کسی کی بے حرمتی کسی کے لئے حلال نہیں رکھی گئی۔ عورت اگر ماں ہے تو اس کے قدموں کے نیچے جنت بتلائی گئی، اگر بیٹی ہے تو اسے باپ کی حسنات میں شمار کیا گیا، اگر بیوی ہے تو حسنِ اخلاق کے ساتھ اس کی دلداری واجب قرار دی گئی، اگر بہن ہے تو اس کی مواسات ومدارات ضروری قرار دی گئی، جس طرح سے کہ مرد بحیثیت باپ، بیٹا بھائی اور زوج وغیرہ ہونے کے حسبِ درجات ومراتب احترام واکرام کا حق دار رکھا گیا ہے۔ پس جو حقوقِ انسانیت مرد کو حاصل ہیں وہی عورت کو بھی ملے ہوئے ہیں۔

غرض قانون، تعلیم، اخلاق، معاشرت، معیشت، مال ومتاع، جائیداد، زمین، باغ، املاک کسب وہنر اور وسائلِ معاش وغیرہ میں جو آزادی مرد کے لئے ہے وہی عورت کے لئے بھی تسلیم کی گئی ہے۔ یہی وہ انسانی مساوات ہے جس میں اسلامی اصول پر مرد وعورت میں اونچ نیچ یا امتیازی سلوک جائز نہیں رکھا گیا بلکہ اس مساوات کو واجبات میں شمار کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا معیار انسانیت ہے جو مرد وعورت دونوں میں یکساں ہے، جو صرف محمود ومستحسن ہی نہیں بلکہ شرعاً مطلوب اور دنیا کی اقوام کا مابہ الفخر ہے۔

لیکن اگر اسی مساوات کو عام بنا کر اس کا استعمال منصبوں اور عہدوں میں بھی شروع کر دیا جائے تو یہی مساوات پھر انتہائی مذموم، بھدی اور قابلِ ملامت بھی بن جاتی ہے، کیونکہ منصبوں اور ذمہ داریوں کی تقسیم محض انسانیت کے معیار سے نہیں ہوتی بلکہ اہلیت وقابلیت اور خلقی قوت وطاقت وغیرہ کے معیار سے ہوتی ہے۔ آپ نے کہیں نہ دیکھا نہ سنا ہوگا کہ کسی ادارہ یا اجتماعی انجمن یا سرکاری حلقہ کا سربراہ کسی نابالغ بچہ یا ناتجربہ کار بے پڑھے لکھے نوجوان کو محض یہ کہہ کر بنا دیا گیا ہو کہ آخر وہ بھی تو انسان ہی ہے اور انسان انسان سب برابر ہیں، یا کسی بلند احمق کو قوم کا سردار یہ کہہ کر چن لیا گیا ہو کہ وہ انسان ہے جس کی انسانیت میں کسی کو کلام نہیں ہے، یا گورنری کی کرسیاں اور ملک کی ذمہ داریاں کسی جاہل، گنوار دیہاتی کو سونپ دی گئی ہوں کہ وہ بھی عام انسانوں جیسا ایک انسان ہے۔

اگر عہدوں اور منصبوں کے دائرہ میں مساوات کے علمبردار اس مساوات وجمہوریت کا نعرہ لگا کر

عہدے دیئے جانے کے لئے ایجی ٹیشن شروع کردیں کہ آخران گنواروں کو گورنر یا وزیراعظم یا پریسیڈنٹ کیوں نہیں بنایا جاتا جب کہ انسان انسان سب برابر ہیں، تو شاید یہی جمہور جن کے بل بوتے پر وہ ایسا نا معقول مطالبہ کریں گے ان کی گوشمالی کے لئے کھڑے ہو جائیں گے اور یہی جواب ہوگا کہ عہدے اور منصب، ذمہ داریاں اور سربراہیاں محض انسانیت کے معیار سے تقسیم نہیں ہوسکتیں، بلکہ اہلیت وقابلیت اور مخصوص احوال واوصاف، معاملہ فہمی، دانائی وتوانائی، خلقی وضع وساخت، قدرتی اوضاع واطوار اور اکتسابی افعال وقویٰ کی قوت وضعف کے معیار سے دی جاتی ہیں، اور جب ان اوصاف کی تقسیم میں قدرت ہی نے مساوات نہیں رکھی تو پھر تفویضِ عہدہ جات میں یہ مساوات کہاں سے آجائے گی؟

قابلِ غور بات

اس فطری اور مسلمۂ کل معیار کو سامنے رکھ کر آخر اس پر کیوں غور نہیں کیا جاسکتا کہ زن وشوہر انسانیت اور انسانی حقوق میں تو مساوی اور برابر ہوں بلکہ زن وشوہر بن جانے کے بعد بھی یکساں اور برابر ہی رہیں، لیکن علاقۂ زوجیت کے منصبوں اور ذمہ داریوں کیلئے ان میں تفاوت اور نابرابری بھی رہے جو مساوات کے منافی نہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ علاقۂ زوجیت دنیا میں انسانیت یا انسانی حقوق بانٹنے کے لئے وضع نہیں کیا گیا کہ یہ حقوق تو زوجین کو زوجیت سے پہلے بھی حاصل تھے اور بعد میں بھی برقرار رہتے ہیں، بلکہ وہ خانگی زندگی کے نظم ونسق اور اس نظم کے مناسبِ حال منصبوں اور ذمہ داریوں کی تقسیم کے لئے وضع کیا گیا ہے، جس سے بقائے نسل، سکون ومودتِ قبائلی، وحدتِ باہمی، اتحاد ویگانگت اور دوسرے کتنے ہی اخلاقی ومعاشرتی مقاصد متعلق ہیں جن کا معیار تنہا انسانیت نہیں بلکہ اس کے ساتھ زوجین میں سے ہر ایک کے مناسبِ حال خلقی وضع وساخت، قدرتی ملکات وقویٰ ومتعلقہ افعال کی قوت وقابلیت درکار ہے۔

اس قدرتی اصول اور فطری معیار سے جب زن وشوہر کو دیکھا جائے گا تو اس علاقۂ زوجیت کی رو سے ان میں مساوات وبرابری کا کوئی امکان تک بھی محسوس نہ ہوسکے گا، کیونکہ ان منصبوں کے لحاظ سے زن ومرد کے خلقی اوضاع واطوار اور طبعی اوصاف وجذبات ایک کے دوسرے سے بالکل جدا بلکہ آپس میں متضاد ہیں، کیونکہ مرد کی جنس کو ظاہر وباطن، تن وتوش، عقل وہوش، وضع وساخت، میلان ورجحان، ہمت وقوت، فہم وفراست، رعب وہیبت، حلم وبرداشت، صبر وثبات، مدافعت ومقاومت، تدبیر وتصرف، کفالت وتربیت، غلبہ وفعالیت، دوربینی اور عاقبت اندیشی کی جو قوتیں دی گئی ہیں وہ عورت کو نہیں ملیں، اور عورت کی

جنس کو خلقی طور پر حسن وجمال، زینت ونزاکت، ناز وانداز، رنگینی وتلون، دلربائی ودل ستائی، محبوبیت ومرغوبیت، جذبات انگیزی اور رومان پروری اور ساتھ ہی ذاتی حد تک خود بینی وخودستائی، ناسمجھی اور کم فہمی ،نقصانِ دین ونقصانِ عقل ،مغلوبیت وبے صبری، احتیاج وانفعالیت ،احساسِ کمتری وکہتری،خوئے لعن وطعن اور جزوی جزوی امور پر ضد اور ہٹ وغیرہ کی جو صفات دی گئی ہیں وہ مرد سے دور تر ہیں۔

جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک بلحاظ اوصاف قوت کا حامل ہے اور ایک کمزوریوں کا مجموعہ ہے،تو خود اندازہ کیا جائے کہ جب خانگی منصب اور تفویض ذمہ داری کا معیار ظاہر وباطن کے بھی متقابل اوصاف ہیں محض انسانیت نہیں تو منزلی زندگی میں یہ متقابل صفات خود اپنے مناسبِ حال جن ذمہ داریوں اور عہدوں کو فطرت کی زبان سے مانگیں گے وہی ذمہ وعہدہ انہیں دیا جانا عینِ فطرت ہوگا۔اور سب جانتے ہیں کہ قوت کے اوصاف طبعی طور پر غلبہ وحکومت کے مقتضی ہوتے ہیں اور ضعف کے احوال طبعی طور پر محکومی اور اطاعت کے متقاضی ،اس لئے منزلی زندگی میں مرد کو اس کے اوصافِ قوت وکمال کی وجہ سے حکومت کا منصب سپرد ہوا جو عین فطرت کا تقاضہ ہے۔اسی لئے قرآن کی زبان میں شوہر کو قوّام کہا گیا اور زوجہ کو مطیع پکارا گیا۔ایک ان میں فاعل کا درجہ رکھتا ہے اور ایک منفعل کا،ایک غالب کا اور ایک مغلوب کا،ایک مؤثر کا اور ایک متأثر کا،ایک القاءِ شئے کا اور ایک محلِ القاء کا،ایک تخم ریزی کا آسمان ہے اور ایک تخم پذیری کی زمین ،ایک کاشتکار ہے اور ایک کھیتی،ایک کفیل مصارف ہے اور ایک مکفولِ مصارف ،تو فطرت کو سامنے رکھ کر سوچا جائے کہ کیا کھیتی اور کاشتکار برابر ہیں؟ اور کیا زمین کو کاشتکار پر حکمرانی دی جاتی ہے؟ یا قصہ برعکس ہوتا ہے۔کیا منفعل اور مغلوب کو فاعل اور غالب پر تسلط دیا جاتا ہے یا اس کے برعکس معاملہ کیا جاتا ہے؟ کیا کفیل کو مکفول پر غلبہ دیا جاتا ہے یا معکوس برتاؤ ہوتا ہے؟ اگر برعکس معاملہ ہی فطرت کا تقاضہ ہے تو شوہر وزوجہ میں یہ فطری معاملہ آخر کیوں باور نہیں کیا جاتا؟ جب کہ ان میں بھی فاعل ومنفعل،کفیل ومکفول اور مؤثر ومتأثر کی نسبت مشاہد ہے، جو کسی دلیل کی محتاج نہیں۔

مساواتِ مرد وزن کا صحیح مفہوم

البتہ مساواتِ مرد وزن سے بھی انکار نہیں ،لیکن وہ عام انسانی اور قانونی حقوق میں ہوتی ہے نہ کہ ان مناصب وعہدہ جات کی تقسیم میں جو علاقۂ زوجیت میں منزلی زندگی کے لئے درکار ہیں،دونوں حقوق اپنی اپنی جگہ فطری ہیں مگر محل دونوں کے الگ الگ ہیں، ایک قانونی حقوق ہیں جو مساوی ہیں اور ایک منصبی

حقوق ہیں جو متفاوت، ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہیں۔ دونوں مقاموں کو مساوات کی ایک ہی لاٹھی سے ہانک دینا آخر دنیا جہان سے الگ کون سی فطرت کا تقاضہ ہے؟ ممکن ہے کہ مدعیانِ مساوات اپنے گھروں میں اس وضع غیر فطری کو پسند فرماتے ہوں کہ مرد تو زن مرید ہو اور عورت ہرجائی، تو وہ پسند فرمائیں ،لیکن کسی باہوش اور سلیم الفطرت انسان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

پس جو لوگ مساوات کا نام لے کر فرقِ مراتب کو کالعدم کر دینا چاہتے ہیں یا فرقِ مراتب کو قائم رکھ کر مساوات کو میٹ (مٹا) دینے کی فکر میں ہیں وہ دونوں فطرت سے برسر پیکار ہونے کے علاوہ نہ مساوات کی حقیقت سے آشنا ہیں اور نہ فرقِ مراتب کی واقعیت سے باخبر۔ ان میں ایک طبقہ مصداق ہے اس کا کہ ع

ملحد است آنکہ مساوات بشر را بر کند

اور ایک طبقہ مصداق ہے اس کا کہ: ع

گر فرقِ مراتب نکنی زندیقی

ایک الحاد کا شکار ہے، اور ایک زندیقیت کا، نہ وہ فطرت پر ہے اور نہ یہ فطرت پر۔ دونوں ہی وضع غیر فطری کے رسیا بنے ہوئے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ مساوات بلاشبہ فطری حق اور انسان کا ایک طبعی نعرہ ہے لیکن اس فطری نعرہ کو اس کے صحیح مقام پر استعمال کرنے کے لئے ہی فطری فہم و فراست کی بھی ضرورت ہے۔ تلوار بلاشبہ کاٹ کرنے میں فطرتاً اپنی نظیر نہیں رکھتی مگر اس کے لئے ہاتھ بھی ویسا ہی فطری اور فنی ہونا چاہئے جیسا تلوار کا جوہر فطری ہے۔ اگر یہی قاطع تلوار کسی بچے کے ہاتھ میں دے دی جائے تو اس کی وہ کاٹ کرنے کی فطرت نہیں بدلے گی لیکن نادان بچہ کا ہاتھ پڑ جانے سے خدا جانے کس کس بے گناہ کا خون بہہ جائے گا اور کتنوں ہی کے لئے ناقابلِ تلافی ماتم کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ البتہ وہی تلوار اگر صاحبِ فن اور جوہر شجاعت وعقل سے آراستہ انسان کے ہاتھ میں ہوگی جو فن دانی کے ساتھ ساتھ دوست و دشمن، محل و موقع اور وقت ومقام کی شناخت بھی رکھتا ہے تو یہی تلوار کتنوں ہی کے لئے ذریعۂ انبساط اور وسیلۂ فتح وظفر ثابت ہوگی۔

پس انسانی مساوات حق، عین فطرت اور بلاشبہ ناگزیر، لیکن اسے اسی کے محل پر چسپاں کرنے اور اس کا موقع و محل پہچاننے کی تمیز اس سے بھی زیادہ بڑی فطرت ہے جو فطرت اللہ سے نکل کر آئی ہو، ورنہ ''تیغ بدست راہزن'' یا ''شمشیر بدستِ طفل'' کا مضمون ہوگا جس کا خسارہ ناقابل تلافی ہوگا۔

دوائیں بلاشبہ باذنِ خداوندی مؤثر ہیں اور امراض کا وجود بھی بحکمتِ خداوندی اس متغیر عالم میں ضروری ہے لیکن دوا و مرض کی تشخیص، دوا کی مریض کے مزاج اور حالت سے مطابقت اور ساتھ ہی وقت و محل

اور مقدار کی پہچان صاحبِ فن طبیب ہی کر سکتا ہے نہ کہ کوئی نا آشنائے فن، یا رستہ چلتا آدمی۔ اگر یہی مؤثر دوائیں بلا تشخیص مرض ومزاج اور بلا نبض شناسی کسی اناڑی کے ہاتھ سے بٹوا دی جائیں تو یہی دوائیں حیات کے بجائے موت کا سبب بن جائیں گی۔

اسی طرح مساوات کا نعرہ لگانے والوں کا نعرۂ مساوات اپنی ذات سے درست، لیکن جس محل پر وہ اس نعرہ کو چسپاں کرنا چاہتے ہیں جیسے نکاح وطلاق میں مرد وعورت پر، تو یہ بلاشبہ ''تیغ بدستِ راہزن'' کا مصداق ہے۔ یہ مدعیانِ مساوات مرد وعورت کی صنعتی خصوصیات سے بظاہر نا آشنا اور دین اور مسائلِ دین اور ان کے مواقع استعمال سے اتنے ہی ناواقف اور بیگانہ و بےشعور ہیں جتنا کہ ایک شمشیر بدست پہلوان کے سامنے ایک نابالغ بچہ یا ایک حاذقِ طبیب کے سامنے ایک اناڑی دوافروش اور جاہل راہگیر ہو سکتا ہے۔

چنانچہ ان کے اٹھائے ہوئے سوالات اور ابھارے ہوئے شکوک وشبہات سے صاف ظاہر ہے کہ مدعی نکاح و سمجھوتہ کے فرق تک سے ناواقف یا مساوات کی حقیقت اور اس کے مواقع استعمال سے یکسر نابلد، نکاح وطلاق کے شرعی مفہوم سے بےخبر اور جمہوریت کے لفظ کے سوا خود اس کی حقیقت ومعنویت سے ہی قطعاً نا آشنائے محض ہیں، تو وہ مساوات کے جوہر کو اس کے واقعی سانچوں میں کیا ڈھال سکیں گے، اور ڈھالیں گے تو ایسا ہی ہوگا جیسے گدھے کے قالب میں ہاتھی کی روح پھونکنے کی کوشش کی جائے کہ نہ ہاتھی ڈھلے گا اور اوپر سے گدھا بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

الحاصل مساواتِ انسانی اور چیز ہے اور فرقِ مراتب اور چیز۔ مگر ساتھ ہی ان دونوں میں کوئی تضاد اور تعارض بھی نہیں کہ ایک سے دوسرے کی نفی ہوتی ہو، بلکہ یہ دونوں ایک محل میں اپنی اپنی نوعیت کے مناسب ِشان جمع بھی ہو سکتے ہیں اور قدرت نے انھیں جمع کر بھی دیا ہے۔

باپ بیٹا انسانیت کی حد تک تمام انسانی حقوق میں باہم برابر ہیں لیکن رتبہ ودرجہ اور ان کے لحاظ سے ان میں زمین وآسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ ایک اصل ہے ایک فرع، ایک میں غناء ہے اور ایک میں احتیاج۔ حاکم ومحکوم، استاد وشاگرد، شیخ ومرید اور مربی ومربوب سب کے سب عام انسانی اور قانونی حقوق میں برابر ہیں لیکن منصب ومقام کے لحاظ سے ایک آسمان ہے اور ایک زمین، ایک مؤثر ہے اور ایک متأثر، اس لئے ایک واجب العظمت ہے اور ایک واجب الشفقت، ایک واجب الحکومت ہے اور ایک واجب الاطاعت۔

پس بیانِ مساوات اور فرقِ مراتب یہ دونوں ایک محل میں جمع ہیں مگر جہت اور حیثیت جدا جدا ہونے کی وجہ سے کوئی ایک دوسرے سے متصادم نہیں، اگر ان میں تضاد ہوتا کہ ایک سے دوسرے کی نفی ہو جاتی تو

یہاں ان کے جمع ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔

ٹھیک اسی طرح زوج اور زوجہ عام انسانی اور قانونی حقوق میں برابر ہیں، خواہ وہ دنیوی حکومت کا آئین ہو یا دینی احکام کا، قانون کہ جو ایک پر لاگو ہے وہی بجنسہ دوسرے پر بھی عائد ہے، لیکن زوج اور زوجہ کی منصبی حیثیت اور جدا جدا ذمہ داریوں کے لحاظ سے ہر ایک کا عہدہ وذمہ اور اس کے تقاضے الگ الگ ہیں جن میں وہ نابرابر ہی ہیں۔قرآن حکیم نے اس انسانی برابری اور منصبی واخلاقی نابرابری کو ایک جگہ جمع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یَـآاَیُّھَـا النَّـاسُ اِنَّـا خَـلَـقْـنَـا کُـمْ مِّـنْ ذَکَـرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنَـاکُمْ شُعُوْبًـا وَّقَبَـآئِلَ لِتَعَارَفُوْا. (الحجرات:۱۳)

اے لوگو ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے (پس اس میں تو سب برابر ہیں) اور (پھر جس بات میں فرق کیا ہے وہ یہ کہ) رکھا تم کو مختلف قومیں (اور پھر ان قوموں میں) مختلف خاندان بنایا (سو محض اس لئے) تا کہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (نہ اس لئے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو)۔

پس آیت میں اوپر تو وہ مساواتِ انسانی مذکور ہے جس کی طلب کی گئی ہے اور اسی کو برقرار رکھنے کے لئے نسبی تفاخر ممنوع قرار دیا گیا کہ اونچ نیچ پیدا ہو کر مساوات باطل نہ ہونے پائے۔مگر اسی کے ساتھ اس آیت کے دوسرے جملے سے اخلاقی، علمی، عملی کمالات کے تقاضوں سے منصبی اور درجاتی نابرابری بھی واضح فرمادی گئی، جس کا معیار محض انسانیت نہیں بلکہ تقویٰ اور پارسائی کا رتبہ ومقام بیان فرمایا گیا ہے۔ارشادِ حق ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ. (الحجرات:۱۳)

اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا اشریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار (اور پارسا) ہو۔

اس سے انسانوں میں خواہ وہ مرد وعورت یا زوج زوجہ ہی کیوں نہ ہوں بڑائی چھوٹائی اور نابرابری واضح فرمادی گئی جو درجاتِ کمال میں اور ان کے اکتساب میں رکھی گئی ہے۔پس جو بھی اس تقویٰ و پارسائی کے مقام پر پہنچ جائے گا وہ غیر پارسا سے یقیناً اونچا ہو جائے گا اور ان دونوں میں کوئی برابری باقی نہ رہے گی، اگرچہ انسانی حقوق میں مساوات بھی ہو۔

اس سے مساوات اور عدمِ مساوات دونوں اپنی اپنی جہت سے مطلوب بھی ثابت ہوئیں اور ان کا ایک ہی فرد میں نمایاں ہونا بھی نمایاں ہو گیا کہ ایک فرد بحیثیت انسان ہونے کے عام انسانوں کے برابر بھی ہے اور وہی فرد بحیثیت ایک صاحبِ کمال اور صاحبِ تقویٰ ہونے کے عوام سے اونچا اور نابرابر ہے۔

عدل وانصاف کا تقاضہ

یہی اصولِ فطرت ہے۔حق تعالیٰ شانہ نے سارے انسانوں کو انسانیت اور حقوقِ انسانیت میں برابر رکھ کر جب اپنی کائنات میں نظامِ علم وعدل قائم فرمانا چاہا تو قوت وضعف کی قدرتی نابرابری کے معیار سے اقویاء کو حکام اور عمال بنایا اور ضعفاء کو ان کا محکوم اور تابع حکم قرار دیا۔عقلاء کو بالا دست کہا اور کم عقلوں کو ان کا زیر دست اور تابع فرمان قرار دیا، جس پر جمہور بنی آدم یقین رکھتے ہیں، نہ کسی کو اس سے انکار ہے نہ انحراف۔

ٹھیک اسی طرح جب اس عالمی نظامِ عام میں نوعی بقاء کے لئے اسی کی فطرتِ صادقہ نے ایک مخصوص نظامِ منزلی قائم فرمانا چاہا تو اولاً انسانوں میں مذکر ومؤنث اور نر ومادہ کا فرق قائم فرمایا اور پھر ان میں مذکر کی جنس کو اس کے جثہ کے مطابق قوی الجسم اور قوی الشعور بنایا جو اس کے مذکر ہونے کا فطری اقتضاء تھا۔اور مؤنث کی جنس کو اس کے پیکر کے مناسب نازک، ضعیف الجسم اور ضعیف الشعور بنایا جو اس کے مؤنث ہونے کا فطری مقتضا تھا۔تاکہ ایک طرف سے فعل اور تاثیر کا عمل ہو اور ایک طرف سے تأثر اور انفعال کا، جس سے نوعی بقاء کا کارخانہ قائم ہو اور آگے بڑھے۔ورنہ دونوں کے یکساں قوی اور یکساں ضعیف ہونے کی صورت میں جب کہ دونوں ہی فاعل اور دونوں ہی منفعل ہوتے تو تاثیر وتأثر اور فعل وانفعال کی کوئی صورت نہ بنتی اور ظہورِ نسل اور بقاءِ نسل ممکن نہ رہتی جو عادتاً تاثیر وتأثر اور فعل وانفعال ہی پر موقوف ہے۔اس لئے ایک کا فاعل اور مؤثر ہونا اور دوسرے کا منفعل ومتأثر ہونا ناگزیر تھا، اور کون نہیں جانتا کہ فاعل اور قوی کو منفعل اور ضعیف پر فطرتاً غالب اور حاکم کا درجہ دیا جاتا ہے، اور منفعل اور ضعیف کو فاعل اور قوی کے سامنے مغلوب اور محکوم کا مقام سپرد کیا جاتا ہے، تاکہ فاعل کی تاثیر اور منفعل کے تأثر سے بقاءِ نوع اور تکثیرِ نسل کی صورت رونما ہو۔

پھر فطرتاً اللہ کا یہ اصول صرف نوعِ انسانی تک ہی محدود نہیں بلکہ اس نے ہر جاندار اور نسل پذیر نوع میں بھی یہی نر ومادہ کی تقسیم اور یہی فاعل ومنفعل کی تفریق جاری فرما کر اسی قوت وضعف اور تاثیر وتأثر کے معیار سے بالا دست اور زیر دست کی نابرابری وہاں بھی قائم رکھی چنانچہ جہاں فطرتِ خداوندی نے حیوانات کی ہر ایک نوع میں عام نوعی احکام خورد ونوش، خواب وبیداری، گھونسلوں اور بھٹوں میں رہن سہن اور بقاءِ نوعی کے جذبات وغیرہ کی حد تک نر ومادہ کو مساوی کیا، وہیں ان میں اس فطرتِ الٰہی نے زوجیت اور جوڑا جوڑا بنانے میں مؤثر ومتأثر اور فاعل ومنفعل کا نظام ہی قائم فرمایا کہ اس کے بغیر عادتاً کسی بھی نوعِ حیوانی میں نوعی بقاء کا سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا جن میں قوی کو ضعیف پر اور غالب ومؤثر کو مغلوب ومتأثر پر فائق

و برتر رکھا، نہ کہ اس سے پست یا اس کا زیردست اور محکوم۔

پس جب کہ پوری کائنات کے سارے ہی ذی حیات نفوس میں باوجود ہستی اور بود و ماند کی یکسانی کے فاعل و منفعل اور بالا دست اور زیردست کا فرق نظامِ مطلوب کی خاطر قائم ہے جس کا معیار قوت وضعف ہے تو یہ فطری اصول آخر نوعِ انسانی میں کیوں نظر انداز کردیا جاتا ہے؟ اسی فطری قانون کے تحت انسانوں میں بھی یہی فرق قائم کیا گیا جو عام جانداروں کی نسل پذیری کا بنا تھا۔

اس لئے بقاءِ نسل کے نظام کے لئے انسانی حقوق میں مرد اور عورت کی یکسانی اور مساوات کے ساتھ علاقۂ زوجیت میں یہ غالب و مغلوب اور فاعل و منفعل یا حاکم و محکوم کا فطری فرق آخر کیوں ناگوارِ خاطر ہوتا ہے جب کہ وہ سارے ہی نسل پذیر جانداروں کی عام فطرت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جیسے زن و مرد میں انسانی حقوق کی مساوات اور برابری فطرت کا اقتضاء ہے ایسے ہی علاقۂ زوجیت نیز ذمہ دارانہ منصبوں کے لحاظ سے تفاوت اور نابرابری بھی اسی فطرت کا تقاضا ہے جو سارے جہاں کے نظامِ زوجیت کو چلا رہی ہے۔ پس فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ حیوانات میں یہ تفاوت اور نابرابری طبعی اور غیر شعوری ہے کہ وہاں عقلی اور شعوری بھی ہے کہ وہ جوہر عقل سے آراستہ ہیں اور عاقبت بینی کی آنکھ رکھتے ہیں۔

پس علمبردارانِ مساوات کا نعرۂ مساوات کے نشے میں ان سارے منصبی فروق کو نظر انداز کر کے یا ان سے نابینائے محض بن کر ہر جگہ ہر ایک کو ایک ہی مساوات کی لاٹھی سے ہانک دینا آخر دنیا جہان سے الگ کون سی فطرت کا تقاضہ ہے؟ اس لئے یا تو وہ انسانوں میں مذکر، مؤنث اور نر و مادہ کے وجود کا صاف انکار کردیں تو یقیناً مساوات ہی مساوات باقی رہ جائے گی، یا اقرار کریں تو یہ منصبی نابرابری یقیناً انھیں لپٹ کر رہ جائے گی، خواہ وہ اس سے کتنا ہی بھاگتے پھریں۔

مساواتِ کلی کا دعویٰ حقیقت میں تخلیقِ خداوندی پر اعتراض ہے

حقیقت یہ ہے کہ زن و شوہر میں ہر جہتی مساوات کے دعویدار اسلام ہی کے کسی مسئلہ کا انکار نہیں کررہے ہیں بلکہ وہ تخلیقِ خالق اور صنعتِ الٰہی پر بھی بے اطمینانی کا اظہار کررہے ہیں یعنی ان کے نزدیک اللہ کے سارے افعال ہی معاذ اللہ مشکوک اور لائقِ ترمیم ہیں کہ اس نے نر و مادہ کی تقسیم کیوں کی اور انھیں خلقتاً غالب و مغلوب، فاعل و منفعل اور مؤثر و متأثر کیوں بنایا؟ گویا درپردہ ان کے دعویٰ کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ قدرت نے ان سے رائے لئے بغیر یا ان کی ترمیمات کو سامنے رکھے بغیر اس کائناتِ زوجیت اور اس

کے تقاضوں کو کیسے جنم دے دیا اور اگر وہ معاذ اللہ غلطی سے بن گئی ہے تو اب اس کے نظام میں ان کی رائے سے ترمیم ہونی چاہئے۔ استغفر اللہ

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا. (مریم:۹۰)

کچھ بعید نہیں کہ ان گمراہ کن دعووں سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔

اس صورت میں ان کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ پہلے کائناتِ خلق کی ترمیم وتبدیل سے فارغ ہو جائیں پھر کائناتِ امر کی ترمیم کی طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ رہ گئے تنگ نظر علماء تو ان کے منہ آنے کا مقام تو بہت بعد میں آئے گا، یا پھر اپنی آنکھوں کا اور دل ودماغ کا آپریشن کرائیں جو ابھی تک انسانی حقوق اور ازدواجی حقوق کا کھلا ہوا اور مسلمہ عالم فرق بھی محسوس نہیں کر سکے ہیں۔

حیرت ہے کہ جب دنیا کے جمہور بنی آدم اس محسوس نظامِ زوجیت اور نر ومادہ میں غلبہ ومغلوبیت کے فرق اور اس فرق کے تحت ان میں بالادستی اور زیردستی یا تاثیر اور تأثر کے تفاوت کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں، نہ اس کے منکر ہیں نہ اس سے منحرف، تو پھر وہ کون سے جمہور ہیں اور کہاں چھپے ہوئے ہیں جن کی آڑ پکڑ کر یا ان کی نمائندگی کرتے ہوئے مدعیانِ مساوات وجمہوریت نکاح وطلاق یا فقہ میں تجاویزِ ترمیم لا رہے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ جمہور کے نام پر خود جمہور ہی کی مخالفت کا پروگرام ہے، تا بحمایت ونمائندگی چہ رسد۔ دیکھا جائے تو اس دعوائے مساوات کے پیچھے نہ کہیں جمہور ہیں نہ کوئی جمہوری آواز، یہ صرف مدعیوں کی ایک ٹولی ہے جو جمہور کا نام لے کر اپنا الو سیدھا کرنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے، ورنہ اسے نہ جمہور سے مطلب نہ جمہور کے مذہب وملت سے کوئی غرض، بلکہ فریب خوردگی کے ساتھ محض ایک فریب دہی ہے، جن کے پیچھے کچھ معاشی مقاصد چھپے ہوئے ہیں، جن کی تحصیل اور تکمیل کے لئے مسائل میں ترمیم اور فقہ کی نئی تدوین وغیرہ کے نعرے لگائے جا رہے ہیں، لیکن کامل ومکمل شریعتِ اسلام اتنی صاف، اتنی روشن اور اتنی روشنی بخش ہے کہ منکر کسی بھی روپ میں آئیں وہ اس کی روشنی میں صاف پہچانے جائیں گے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

من اندازِ قدت را می شناسم

مطمئن رہیں کہ اس دوامی دین اور اس کی مستمر شرائع پر ان کے کید ومکر کا کوئی اثر نہ پڑ سکے گا، خواہ وہ کتنا ہی منہ بسوریں۔ **وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ.**

خلاصۂ کلام

اس مرحلہ میں آپ کے سوال نمبر پانچ کا تھوڑا سا رُخ تبدیل کر کے آپ ہی کے عنوان میں یہ عرض کروں گا کہ اگر ''مسلم پرسنل لاء'' کے معنی نکاح وطلاق کو ان کے شرعی مفہومات کے ساتھ بحال رکھ کر ان کا تحفظ کرنا اور دنیا کو یہ بتلانا ہے کہ نکاح وطلاق کا مالک صرف مرد ہے عورت نہیں اور نہ ہی خدا کے بنائے ہوئے اس علاقۂ زوجیت میں کوئی رسمی مساوات یا اصطلاحی جمہوریت یا زوجین میں رتبوں کی برابری دخیل ہوسکتی ہے اور نہ یہ سماج دشمنی ہوگی تو ایسے مسلم پرسنل لاء کا تحفظ اشد ضروری اور اس کی حفاظت کی راہ میں کسی بھی قربانی سے جان چرانا اسلام دشمنی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ شکوک اندازی اور شبہات آفرینی کے سوالات مسلم پرسنل لاء ہی کی چبھن سے معرضِ وجود میں آئے ہوں اور ان مختلف قسم کے زاویوں سے ان کا ظہور ہو رہا ہو۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِيْرَهٗ.

خلق را گیرم کہ بفریبیٔ تمام
در غلط اندازی تا ہر خاص و عام
مکرہا باخلق آری جملہ راست
باخدا تزویر و حیلہ کے رواست

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نکاح کے عقدِ شرعی کو آپسی سمجھوتہ اور باہمی معاہدہ کہہ کر اس میں زن وشوہر کو باقتضائے زوجیت ایک درجہ کا حقدار یا نکاح وطلاق میں برابر کا شریک سمجھنا یا تو نافہمی حقیقت پر مبنی ہے، درحالیکہ عقدِ نکاح کی حقیقت کا خود ذاتی تقاضا زن وشوہر میں فرقِ مراتب کا قیام ہے۔

یا اس عقدِ شرعی کو باہمی معاہدوں پر قیاس کرنا قیاسِ فاسد بلکہ اختراعِ محض ہے درحالیکہ نکاح اور سمجھوتہ میں کوئی مابہ الاشتراک نہیں کہ قیاس کی بنیاد قائم ہو، نہ وہ دونوں ایک ہیں نہ یک جنس ہیں اور نہ ہی ان کے اجزاء اور عناصر ترکیبی میں ہی باہم کوئی مشابہت ومماثلت ہے جیسا کہ دو درجن وجوہِ فرق سے ان دونوں کا غیر مشترک، غیر مساوی بلکہ متباین ہونا واضح کیا جاچکا ہے۔



ذوالحجہ کا پہلا عشرہ اور قربانی کے احکام

مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی

قربانی کی حقیقت

قربانی کا عمل اگرچہ ہر امت کے لئے رہا ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكاً لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَام. (سورۃ الحج: ۳۴)

ہم نے ہر امت کے لئے قربانی مقرر کی، تاکہ وہ چوپایوں کے مخصوص جانورں پر اللہ کا نام لیں، جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے۔

لیکن حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اہم وعظیم قربانی کی وجہ سے قربانی کو سنت ابراہیمی کہا جاتا ہے اور اسی وقت سے اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہوگئی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضور اکرم ﷺ کی اتباع میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے، جو قیامت تک جاری رہے گی، انشاء اللہ۔ اس قربانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری میں اپنی جان ومال ووقت ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو اونٹوں کی قربانی پیش فرمائی تھی، جس میں سے ۶۳/اونٹوں کی قربانی آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کی تھی اور بقیہ ۳۷/اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نحر (یعنی ذبح) فرمائے۔ (صحیح مسلم: حجۃ النبی ﷺ)

یہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد (ذوالحجہ کی ۱۰/تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں) کا عملی اظہار ہے اور اس عمل میں اُن حضرات کا بھی جواب ہے جو مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر کہہ دیتے ہیں کہ جانوروں کی قربانی کے بجائے غریبوں کو پیسے تقسیم کردیئے جائیں۔ اسلام نے جتنا غریبوں کا خیال رکھا ہے اس کی کوئی مثال کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی، بلکہ

انسانیت کو غریبوں اور کمزوروں کے درد کا احساس شریعت اسلامیہ نے ہی سب سے پہلے دلایا ہے۔غرباء و مساکین کا ہر وقت خیال رکھتے ہوئے شریعت اسلامیہ ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم عیدالاضحیٰ کے ایام میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں اپنے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے قربانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں،جیسا کہ ساری انسانیت کے نبی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عیدالاضحی کے دن قربانی میں خرچ کئے جانے والے مال سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا۔(سنن دارقطنی،سنن کبریٰ للبیہقی)

ان دنوں بعض حضرات نے باوجودیکہ انہوں نے قربانی کے سنت مؤکدہ اور اسلامی شعار کا موقف اختیار کیا ہے۔۱۴۰۰ سال سے جاری وساری سلسلے کے خلاف اپنے اقوال وافعال سے گویا یہ تبلیغ کرنی شروع کردی ہے کہ ایک قربانی پورے خاندان کے لئے کافی ہے اور قربانی کم سے کم کی جائے جو سراسر قرآن وحدیث کی روح کے خلاف ہے، کیوں کہ حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ ان ایام میں زیادہ سے زیادہ قربانی کرنی چاہئے۔

دیگر اعمال صالحہ کی طرح قربانی میں بھی مطلوب ومقصود رضائے الٰہی ہونی چاہئے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ و مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِ الْعٰلَمِیْن.(سورۃ الانعام:۱۶۲)

میری نماز،میری قربانی،میرا جینا،میرا مرنا سب اللہ کی رضا مندی کے لئے ہے،جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے،نیز اللہ جل شانہٗ کا فرمان ہے:**لَنْ یَّنَا لَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلاَ دِمَائُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ**.(سورۃ الحج:۳۷)

اللہ کو نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے نہ اُن کا خون،لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

قربانی کی اہمیت وفضیلت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا(اس قیام کے دوران) آپ ﷺ قربانی کرتے رہے۔(ترمذی،ابواب الاضاحی)

غرضیکہ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ایک مرتبہ بھی قربانی ترک نہیں کی، باوجودیکہ آپ ﷺ کے گھر میں بوجہ قلت طعام کئی کئی مہینے چولہا نہیں جلتا تھا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم

ﷺ سے سوال کیا، یارسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟ (یعنی قربانی کی حیثیت کیا ہے؟) آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت (اور طریقہ) ہے۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ہمیں قربانی سے کیا فائدہ ہوگا؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔(سنن ابن ماجہ، باب ثواب الاضحیہ)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: ذوالحجہ کی ۱۰ویں تاریخ کوکوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کرمحبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں،سینگوں اور کھروں کو لے کرآئے گا (اور یہ چیزیں اجروثواب کا سبب بنیں گی) اور قربانی کا خون زمین پرگرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف قبولیت حاصل کرلیتا ہے،لہٰذاتم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔(ترمذی، باب ماجاء فی فضل الاضحیہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عیدالاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کئے جانے والے مال سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا۔(سنن دارقطنی، باب الذبائح، سنن کبریٰ للبیہقی، ج۹،ص:۲۶۱)

قربانی واجب ہے

قربانی کوواجب یاسنت مؤکدہ قرار دینے میں زمانۂ قدیم سے اختلاف رہا ہے،مگر پوری امت مسلمہ متفق ہے کہ قربانی ایک اسلامی شعار ہےاور جوشخص قربانی کرسکتا ہےاس کوقربانی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے،خواہ اس کوواجب کہیں یا سنت موکدہ یا اسلامی شعار۔حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں ہمیشہ قربانی کیا کرتے تھے، باوجودیکہ آپ ﷺ کے گھر میں اشیائے خوردنی نہ ہونے کی وجہ سے کئی کئی مہینے تک چولہا نہیں جلتا تھا۔

۸۰رہجری میں پیدا ہوئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں قربانی کو واجب قراردیا ہے۔حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت بھی قربانی کے وجوب کی ہے۔ہندو پاک کے جمہور علماء نے بھی وجوب کے قول کواختیار کیا ہے کیوں کہ یہی قول احتیاط پر مبنی ہے۔علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی قربانی کے وجوب کے قول کواختیار کیا ہے۔قربانی کے وجوب کے لئے متعدد دلائل میں سے چند پیش خدمت ہیں:

۱-اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم (سورۃ الکوثر) میں ارشاد فرماتا ہے (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی کریں، اس آیت میں قربانی کرنے کا امر (یعنی حکم) دیا جارہا ہے اور امر عموماً وجوب کے لئے ہوا کرتا ہے، جیسا کہ مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر کیا ہے۔

علامہ ابوبکر جصاصؒ (ولادت ۳۰۵ھ) اپنی کتاب (احکام القرآن) میں تحریر کرتے ہیں: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت (فصل لربك) میں جو نماز کا ذکر ہے اس سے عید کی نماز مراد ہے اور وَانحر سے قربانی مراد ہے۔ مفسر قرآن شیخ ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، عید کی نماز واجب ہے، قربانی واجب ہے۔

۲-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو قربانی کی وسعت حاصل ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ پھٹکے۔

(سنن ابن ماجہ، باب الاضاحی، مسند احمد، ج ۲ ص: ۳۲۱، السنن الکبریٰ، ج ۹ ص: ۲۶۰، کتاب الضحایا)

وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر آپ ﷺ نے سخت وعید ارشاد فرمائی اور اس نوعیت کی سخت وعید واجب کے چھوڑنے پر ہی ہوتی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ قربانی کرنا واجب ہے۔

۳-حضرت جندب بن سفیان البجلیؓ سے روایت ہے کہ میں عید الاضحی کے دن حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے عید کی نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح نہیں کیا تو اسے چاہئے کہ وہ (عید کی نماز کے) بعد ذبح کرے۔ (صحیح بخاری، باب من ذبح قبل الصلاۃ اعاد)

حضور اکرم ﷺ نے عید الاضحی کی نماز سے قبل جانور ذبح کرنے پر دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا، حالاں کہ اُس زمانہ میں صحابہ کرامؓ کے پاس مالی وسعت نہیں تھی۔ یہ قربانی کے وجوب کی واضح دلیل ہے۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

ہر صاحب حیثیت کو قربانی کرنی چاہئے، جیسا کہ حدیث میں گزرا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو قربانی کی وسعت حاصل ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قربانی کے وجوب کے لئے صاحبِ وسعت ہونا ضروری ہے۔ البتہ مسافر پر قربانی واجب نہیں، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ (المحلی بالآثار لابن حزم، ج ۶ ص: ۳۷)

قربانی کے جانور

قربانی کے جانوروں میں بھینس بھی داخل ہے، کیوں کہ یہ بھی گائے کی ایک قسم ہے، لہٰذا بھینس کی قربانی بھی جائز ہے۔امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ بھینس کا حکم گائے والا ہے۔

(کتاب الاجماع لابن منذر،ص:۳۷)

حضرت حسن بصریؒ (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ بھینس گائے کے درجہ میں ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ،ج۷،ص:۶۵)

حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ(متوفی ۱۶۱ھ)فرماتے ہیں کہ بھینسوں کو گائے کے ساتھ شمار کیا جائے گا۔(مصنف عبدالرزاق،ج۱،ص:۲۳)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ(متوفی ۱۷۹ھ)فرماتے ہیں کہ بھینس گائے ہی ہے(یعنی گائے کے حکم میں ہے)(موطا مالک باب ماجاء فی صدقۃ الفطر)

ہندو پاک کے جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے کہ بھینس گائے کے حکم میں ہے۔سعودی عرب کے مشہور عالم شیخ محمد بن عثیمینؒ نے بھی بھینس کو گائے کے حکم میں شمار کیا ہے۔بھینس عربوں میں نہیں پائی جاتی اس لئے اس کا ذکر قرآن کریم میں وضاحت سے نہیں ہے۔(مجموع فتاویٰ ورسائل،شیخ ابن عثیمین،۲۵/۳۴)

موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں یہی مذکور ہے کہ بھینس گائے کے حکم میں ہے۔

جانور کی عمر

قربانی کے جانوروں میں بھیڑ اور بکرا بکری ایک سال،گائے اور بھینس دو سال اور اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے،البتہ وہ بھیڑ اور دنبہ جو دیکھنے میں ایک سال کا لگتا ہے اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

قربانی کے جانور میں شرکاء کی تعداد

اگر قربانی کا جانور بکرا، بکری، بھیڑ یا دنبہ ہے تو وہ صرف ایک آدمی کی طرف سے کفایت کرتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بکری ایک آدمی کی طرف سے ہوتی ہے۔

(اعلاء السنن، باب ان البدنۃ عن سبعۃ)

اگر قربانی کا جانور اونٹ، گائے یا بھینس ہے تو اس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر نکلے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات (آدمی) شریک ہو جائیں۔ (صحیح مسلم، باب جواز الاشتراک الخ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حدیبیہ والے سال حضور اکرم ﷺ کے ساتھ قربانی کی، چنانچہ اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کی۔

(صحیح مسلم، باب جواز الاشتراک الخ)

وضاحت : حجۃ الوداع اور صلح حدیبیہ کے موقع پر اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہوئے تھے، اس پر قیاس کر کے علمائے امت نے فرمایا ہے کہ عید الاضحیٰ کی قربانی میں بھی اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

قربانی کے تین ایام ہیں: ۱۰/۱۱/۱۲/ذی الحجہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قرآن کریم کی آیت (وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایام معلومات سے مراد یوم النحر (۱۰/ذی الحجہ) اور اس کے بعد دو دن ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم الرازی، ج۶، ص:۲۶۱)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قربانی کرے تو تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ نہیں بچنا چاہئے۔ (صحیح بخاری، باب مایوکل من لحوم الاضاحی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے دن تین ہی ہیں، اس لئے کہ جب چوتھے دن قربانی کا بچا ہوا گوشت رکھنے کی اجازت نہیں تو پورا جانور قربان کرنے کی اجازت کہاں سے ہوگی؟

وضاحت : تین دن کے بعد قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت ابتدائے اسلام میں تھی، بعد میں اجازت دیدی گئی کہ اسے تین دن بعد بھی رکھا جا سکتا ہے۔ (مستدرک حاکم، ج۴، ص:۲۵۹)

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب تین دن کے بعد گوشت رکھنے کی اجازت مل گئی تو تین دن بعد قربانی بھی کی جا سکتی ہے، اس لئے کہ گوشت تو پورے سال بھی رکھا جا سکتا ہے تو کیا قربانی کی اجازت بھی سارے سال ہوگی؟ ہرگز نہیں، تین دن کے بعد قربانی کی اجازت نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔

حضرت علیؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ قربانی کے دن تین ہی ہیں۔ (موطا مالک، کتاب الضحایا)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قربانی کے دن ۱۰رذی الحجہ اور اس کے بعد کے دو دن ہیں، البتہ یوم النحر (۱۰رذی الحجہ) کو قربانی کرنا افضل ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی، ج۲،ص:۲۰۵)

وضاحت

بعض علمائے کرام نے مسند احمد میں وارد حدیث (كُلُّ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ ذِبحٌ) کی بنیاد پر فرمایا کہ اگر کوئی شخص ۱۲رذی الحجہ تک قربانی نہیں کر سکا تو ۱۳رذی الحجہ کو بھی قربانی کی جاسکتی ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں فرمایا ہے کہ قربانی صرف تین دن کی جاسکتی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنی کتاب میں وارد حدیث کے متعلق وضاحت کردی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ نیز اصولِ حدیث ہے کہ ضعیف حدیث سے حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی بھی یہی رائے تھی۔ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قربانی کو صرف تین دن تک محدود رکھا جائے کیوں کہ حضور اکرم ﷺ یا کسی ایک صحابی سے ۱۳رذی الحجہ کو قربانی کرنا ثابت نہیں ہے۔

قربانی کرنے والا ناخن اور بال نہ کاٹے یا کٹوائے

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوجائے اور تم میں سے جو قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ (مسلم)

اس حدیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں قربانی کرنے والوں کے لئے مستحب ہے کہ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک جسم کے کسی حصے کے بال اور ناخن نہ کاٹیں۔ لہٰذا اگر بال یا ناخن وغیرہ کاٹنے کی ضرورت ہو تو ذی قعدہ کے آخر میں فارغ ہوجائیں۔



ہندوستان کے مکاتب میں

جمعہ کی چھٹی کی منعویت وافادیت

مولانا عمر فاروق لوہاروی صاحب

ہندوستان کے مکاتب میں جمعہ کے بجائے اتوار کی چھٹی رائج کرنے کے سلسلے
میں ایک استفتاء راقم الحروف کے نام آیا تھا، اس کے تناظر میں زیر نظر مضمون لکھا گیا ہے۔
استفتاء کے مشمولات مضمون سے واضح ہیں۔(عمر فاروق)

علم دین ایک اعلیٰ اور افضل چیز ہے، اس کا سیکھنا سکھانا، مطلوب ومحمود اور کئی فضیلتوں کا حامل ہے، لیکن انسانی فطرت میں یہ چیز داخل ہے کہ ہر وقت جب کسی چیز میں مشغول رہتا ہے تو اس سے دل برداشتہ ہو جاتا ہے اور طبیعت اکتا جاتی ہے۔لہٰذا ہر وقت تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھنا مفید ہونے کے بجائے مضر ہو سکتا ہے۔ممکن ہے، اکتا کر چھوڑ بیٹھے اور بڑی خیر سے محروم ہو جائے، اس لئے تعلیم وتعلیم کے لئے اوقاتِ نشاط کی رعایت کرنا بہت مناسب بلکہ ضروری ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کا بہت خیال فرماتے تھے۔

صحیح بخاری میں ہے:عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال: کان النبی ﷺ یَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِی الْاَیَّامِ، کَرَهَةَ السَّامَةِ عَلَیْنَا (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب ما کان النبی ﷺ یتخولهم بالموعظة والعلم کی لا ینفروا، ص:۱۶، ج:۱، ط:قدیمی: کراچی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مختلف دنوں میں ہم لوگوں کو وعظ ونصیحت فرمانے میں ہمارے احوال کی رعایت فرماتے تھے کیوں کہ اکتا کر ہمارے سے بددل ہو جانے کو آپ ﷺ پسند نہ فرماتے تھے۔

عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ: کَانَ عَبْدُ اللّٰهِ رضی اللّٰه عنه یُذَکِّرُ النَّاسَ فِیْ کُلِّ خَمِیْسٍ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: یَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، لَوَدِدْتُ اَنَّکَ ذَکَرْتَنَا کُلَّ یَوْمٍ، قَالَ: اَمَا اِنَّهُ یَمْنَعُنِیْ مِنْ ذٰلِكَ

اَنِّیْ اَکْرَہُ اَنَّ اُمِلَّکُمْ، وَ اِنِّیْ اَتَخَوَّلُکُمْ بِالْمَوْعِظَةِ کَمَا کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَتَخَوَّلُنَا بِھَا؛ مَخَافَةَ السَّامَةِ عَلَیْنَا. (صحیح بخاری، کتاب العلم، ماب من جعل لأهل العلم أياما معلومة، ص:۱۶، ج:۱، ط: قدیمی: کراچی)

''ابووائل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں کو وعظ ونصیحت فرماتے تھے۔ایک شخص (یزید بن معاویہ یا عباس بن ابی مرداس) نے عرض کیا: اے ابوعبدالرحمٰن! میری چاہت ہے کہ آپ ہمیں روزانہ وعظ ونصیحت فرمائیں۔انہوں نے فرمایا: سنو! مجھے میرا تمہیں اکتاہٹ میں ڈالنے کو ناپسند کرنا اس سے روک رہا ہے اور میں وعظ ونصیحت کے سلسلے میں تمہارے اوقات کا اسی طرح خیال رکھتا ہوں جیسا کہ نبی کریم ﷺ اس اندیشہ سے کہ ہم کبیدہ خاطر نہ ہوجائیں، ہمارا خیال رکھا کرتے تھے۔''

اسی مقصد کے پیشِ نظر عہد قدیم میں حضرات محدثین، فقہاء اور صوفیہ وغیرہ اربابِ علم وفضل کے یہاں علمی وادبی حلقوں اور اصلاحی مجالس کا انعقاد ہفتہ میں کم از کم ایک دن نہیں ہوتا تھا اور اسی مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے آج بھی مکاتب دینیہ و مدارس اسلامیہ میں ہفتہ میں عامتاً ایک دن کی چھٹی ہوتی ہے۔ ہندو پاک اور بنگلہ دیش وغیرہ برصغیر کے ممالک کے مکاتب و مدارس میں ہر ہفتہ میں جمعہ کے دن چھٹی ہوتی ہے۔ جمعہ کے دن چھٹی کا رواج بہت پرانے زمانے سے ہے۔

حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ رقم طراز ہیں:

''بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعہ کے دن مکتب کے بچوں کو چھوٹی کا رواج ہوگیا تھا۔

الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام کے سفر سے مہینوں کے بعد واپس ہوئے تو اہل مدینہ اور ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے استقبال کے لئے شہر کے باہر نکلے، یہ پنج شنبہ کا دن تھا۔ سب نے مدینہ کے باہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رات بسر کی اور جمعہ کو شہر میں آئے، چوں کہ سب چھوٹے بڑے تھکے ماندے تھے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں دنوں (جمعرات و جمعہ) میں آرام کرنے کے لئے رخصت دیدی، اسی وقت سے اس تعطیل کا رواج ہوا۔ (بحوالہ مجلّہ منارالاسلام، ابوظہبی، جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ)

یہ روایت مجھے دوسری کتابوں میں نہیں مل سکی ہے۔

صحابہ اور تابعین کے دور میں جمعہ کے دن مکاتب کی تعطیل کا رواج ہوگیا تھا۔ ایوب بن حسن رافعی کا بیان ہے: **كنا نخرجُ كلَّ يوم جمعة مع غلمان المدينة غلمان الكُتّاب**

''ہم لوگ ہر جمعہ کو مدینہ کے مکتب کے لڑکوں کے ساتھ باہر نکلتے تھے۔''

اور مقام دقم پر کھڑے ہوکر مصعب بن زبیر کے لڑکوں کو دیکھتے تھے کہ احمد کے قریب جوانیہ سے نکل کر عربی گھوڑوں پر کود کود کر چڑھتے تھے۔(جمهرة نسب قريش و أخبارها، ص:۳۴۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب میں جمعہ کو تعطیل ہوتی تھی اور بچے کھیل کود میں لگے رہتے تھے۔

ابن مجاہد مقری بچوں کو تعلیم دیتے تھے، انہوں نے ایک بھاری بھرکم آدمی کو دیکھ کر کہا: **هو أثقل من يوم السبت على الصبيان.** (خاص الخاص، ثعالبی، ص:۵)

''بچوں پر سنیچر کا دن جس قدر ثقیل اور گراں گزرتا ہے، یہ شخص اس سے زیادہ ثقیل ہے۔''

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن مکتبوں میں تعطیل ہوتی تھی اور بچوں کو سنیچر کے دن مکتب جانا گراں معلوم ہوتا تھا۔'' (خیر القرون کی درسگاہیں اوران کا نظام تعلیم وتربیت، ص:۳۴۲، ۳۴۳)

بعض دینی درسگاہوں میں ہر ہفتہ جمعہ کے علاوہ دوسرے دن بھی چھٹی کا معمول رہا ہے۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''بعض علمی خانوادوں میں علاوہ جمعہ کے منگل کے دن بھی درس نہ ہوتا، ہمارے خیر آبادی خاندان میں بھی یہی دستور تھا، منگل کا دن اساتذہ کے لئے صرف تصنیف وتالیف کا تھا اور طلبہ کے لئے کتابوں کی نقل کا۔ محدث پانی پتی قاری عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی ان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ منگل کے روز طلبہ کو سبق نہیں پڑھایا کرتے تھے۔ قاری صاحب چوں کہ لفظاً و معناً ولی اللّٰہی خاندان کے اتباع میں مشہور تھے، اس لئے قیاس چاہتا ہے کہ یہ طریقہ انہوں نے شاہ صاحب کے خاندان ہی سے حاصل کیا تھا۔'' (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، حاشیہ:۱،ص۴۹، ج:۲)

ہفتہ واری چھٹی کے لئے جمعہ کے دن کا انتخاب بڑی معنویت رکھتا ہے، اس سے بچوں کے دل ودماغ میں شروع ہی سے اس دن کی عظمت کالنقش فی الحجر ہوجاتی ہے، اس سے انہیں یوم الجمعہ کے یوم المسلمین ہونے کا احساس ہوتا ہے، اس سے ان کے سامنے اس کا یوم العید ہونا آشکارا ہوتا ہے۔ آج کے گئے گزرے دور میں بھی ہندوستان میں بجا طور پر محسوس ہوتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے تک یوم جمعہ کو مسلمانوں کے لئے اہم دن سمجھتے ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ یہ شعور واحساس مکاتب ومدارس میں جمعہ کے دن چھٹی کی دَین ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

آج کچھ لوگ چاہتے اور برملا اس کا اظہار کرتے ہیں کہ برطانیہ وکینیڈا وغیرہ ممالک کی طرح ہندوستان کے مکاتب میں بھی جمعہ کے بجائے اتوار کی چھٹی کو رائج کیا جائے، اس لئے کہ بچے اسکول جاتے ہیں اور اسکول میں اتوار کی چھٹی ہوتی ہے۔ اگر مکتب اتوار کو بند رکھیں گے تو بچوں کو پورا دن آرام ملے

گا اور ماں باپ کو کہیں آنا جانا ہو تو کوئی رکاوٹ نہ ہو اور بچوں کی غیر حاضری بھی نہ ہو۔ فی الحال اتوار کو مکتب کی چھٹی نہ ہونے کی وجہ سے کہیں آنے جانے میں دقت ہوتی ہے اور بچوں کو ساتھ لے جانے میں اُن کی غیر حاضری ہوتی ہے۔ اگر جمعہ کے دن کی فضیلت کو مدنظر رکھتے ہوئے مکتب میں جمعہ کے دن ہی چھٹی ہونی چاہئے تو پھر مسلمانوں کا دوکان وغیرہ کاروبار بھی جمعہ کے دن بند رکھنا چاہئے۔

مکاتب و مدارس میں جمعہ کے بجائے سنیچر یا اتوار کی چھٹی کی دہائی پہلے بھی دی جاتی رہی ہے جیسا کہ ذیل کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے۔ امداد الفتاویٰ میں ہے:

سوال (۳۴۱): ہمارے یہاں سب مدارس میں جمعہ کو تعطیل ہوتی ہے، اتوار کو تعطیل کرنا روا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نہیں! بسبب تشبہ و تعظیم یوم نصاریٰ کے۔

(امداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والاباحۃ، تشبہ بالکفار، ص:۲۶۶، ج:۴، ناشر: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال (۳۸۶۰): ایک شہر میں مدت کے بعد ایک مسجد احاطۂ مدرسہ میں تعمیر ہوئی ہے، جس کی وجہ سے تعطیل جمعہ کو اتوار سے بدل دیا گیا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ کون سے دن تعطیل اختیار کی جائے کہ شہر میں اتفاق ہو سکے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اتوار کے دن تعطیل کرنے میں تشبہ ہے غیروں کے ساتھ، دینی مدرسہ میں اس کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ، باب صلاۃ الجمعۃ، فصل فی المتفرقات، ص:۳۶۳، ج:۸، ناشر: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

محمود الفتاویٰ میں ہے:

سوال: ہمارے یہاں دینی مکتبوں میں پچھلے چند سالوں سے جمعہ کو تعلیم جاری رکھی جاتی ہے، ایسا کرنے میں بچوں کی حاضری زیادہ رہتی ہے، یہ عذر پیش کیا جاتا ہے، آیا ذمہ داروں کا یہ فعل یعنی سنیچر کو تعطیل تشبہ بالیہود ہے یا نہیں؟ اس کو باقی رکھنا چاہئے یا بدل دینا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شنبہ کی تعطیل یہ یہودیوں کا مذہبی شعار ہے، اس لئے ہمارے دینی مدارس میں شنبہ کو تعطیل کرنے سے ان کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے اور یوم یہود کی تعظیم کو بھی مستلزم ہے، اس لئے اس کو بدل کر حسب سابق یوم جمعہ کو تعطیل کی جائے۔ (ماخوذ از امداد الفتاویٰ ۴/۲۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(محمود الفتاویٰ، متفرقات، ص:۷۸۲، ج:۴، ناشر: مکتبہ انور، ڈابھیل)

مذکورہ بالا فتاویٰ سے یہ ظاہر ہوا کہ وجوہ واسباب سے قطع نظر آج سنائی دینے والی آواز درحقیقت صدائے بازگشت ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مکاتب و مدارس میں جمعہ کی بجائے سنیچر یا اتوار کی چھٹی کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

برطانیہ وکینیڈا جیسے ممالک کے مکاتب و مدارس میں برسوں سے جمعہ کو تعلیم جاری رہتی ہے اور ہفتہ واری چھٹی بعض مکاتب میں صرف اتوار کے دن اور بعض میں سنیچر اور اتوار دو دن ہوتی ہے۔ مکاتب و مدارس کے سابق منتظمین نے کن حالات ومصالح کے پیش نظر یہ نظام رائج کیا تھا، وہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، بالاجمال اتنا تو ہر پڑھا لکھا شخص ضرور جانتا ہے کہ حالت اختیار کے تمام احکام مجبوری کی حالت میں نافذ نہیں ہوتے، بلکہ کچھ احکام میں از روئے شرع گنجائش ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ مجبوری کا اظہار ہر کس و ناکس کے سامنے ہو بھی نہیں سکتا۔ نیز ہندوستان کے مکاتب میں تعلیم عامتاً صبح میں اسکول سے قبل ہوتی ہے، جب کہ برطانیہ میں شام کو ہوتی ہے۔ برطانیہ کی عصری تعلیم گاہوں کا نظام الاوقات ہندوستان کے اسکولوں سے مختلف ہے، چنانچہ مجموعی طور پر صبح آٹھ نو بجے سے ساڑھے تین چار بجے اور بعض اکیڈمی اسکولوں میں اس کے بعد تک عصری تعلیم ہوتی ہے، اس لئے مکاتب میں تعلیم شام کو عام طور پر ساڑھے چار، پانچ بجے سے ساڑھے سات بجے تک ہوتی ہے اور سال کے کئی مہینوں میں مکتب کے وقت میں جمعہ کا دن گزر چکا ہوتا ہے، لہٰذا منتظمین نے سوچا ہوگا کہ اب جمعہ کے دن مدرسہ کی چھٹی کرنے کی کوئی تُک نہیں بنتی اور جمعرات کے دن شام کو مدرسہ کی چھٹی کرنے سے جمعہ کی چھٹی کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ ہفتہ واری چھٹی کے لئے اگر کسی وجہ سے جمعہ کا دن مقرر کرنا دشوار تھا تو سنیچر و اتوار کی بجائے کوئی اور دن تجویز کیا ہوتا، آخر ان دنوں کی تجویز کے پیچھے کیا فلسفہ کارفرما ہے؟

اس کا اجمالی جواب ماقبل میں گزر چکا ہے اور تفصیلی جواب کے لئے برطانیہ والوں کا طرزِ زندگی اور مصروفیات کا شیڈول وفہرست وغیرہ تفصیلات داستان الف لیلہ ہے، جس کا یہ مختصر مضمون متحمل نہیں ہوسکتا، نیز شنیدہ کے بود مانند دیدہ؟

لہٰذا ہندوستان کے مکاتب میں جمعہ کے بجائے اتوار کی چھٹی کے خواہش منداشخاص کا برطانیہ وغیرہ ممالک کے مکاتب کو بنیاد بنانا اوران پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ یہ کہنا کہ اگر مکتب اتوار کو بند رکھیں گے تو بچوں کو پورا دن آرام ملے گا، چھٹی کے مقصد سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ چھٹی کا مقصد نشاط پیدا کرنا ہے، جو ہفتہ بھر میں ایک دن مدرسہ کے ناغہ کرنے سے حاصل ہوجاتا ہے، اس کے لئے پورا دن آرام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بسا اوقات پورا دن آرام پانے سے نشاط کی بجائے طبیعت میں کاہلی و کسل مندی

آجاتی ہے اور بعض مرتبہ بچے مسلسل کئی گھنٹے فارغ ہونے کی وجہ سے فضولیات میں لگ جاتے ہیں۔

اتوار کو مکتب میں چھٹی نہ ہونے کی وجہ سے ماں باپ کو کہیں آنے جانے میں وقت کا جہاں تک سوال ہے تو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بچوں کی تعلیم وتربیت ایک اہم دینی فریضہ ہے، جس کی ادائیگی دنیا وآخرت میں خیر و برکت اور فلاح وسعادت کا ذریعہ ہے، اس کے لئے تھوڑی بہت مشقت ہنسی خوشی برداشت کر لینا چاہئے۔ طُرفہ یہ ہے کہ بستی کے ہر ماں باپ کو ہر اتوار کے دن کہیں آنا جانا لگا رہتا ہو، ایسا تو ہے نہیں، تو آخر کیوں اصول اسلامی سے ہم آہنگ جمعہ کی چھٹی کے نظام کی بساط لپیٹنے کی فکر ہو رہی ہے؟

ہندوستان کے مکاتب میں جمعہ کے بجائے اتوار کی تعطیل کے لئے یہ منطق کہ ''اگر جمعہ کے دن کی فضیلت کو مدنظر رکھتے ہوئے مکتب میں جمعہ کے دن ہی چھٹی ہونی چاہئے تو پھر مسلمانوں کو دوکان وغیرہ کاروبار بھی جمعہ کے دن بند رکھنا چاہئے''، ''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا'' کی مصداق ہے۔ خود قرآن مجید سے اذان جمعہ سے پہلے جمعہ کے بعد کاروباری مصروفیات کا جواز ثابت ہے۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ** (الجمعۃ:۹)

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید وفروخت چھوڑ دیا کرو۔'' (بیان القرآن)

ظاہر ہے کہ اذانِ جمعہ سے قبل خرید وفروخت جائز ہو اور ہو رہی ہو، تبھی تو اذان کے وقت اسے چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰه. (الجمعۃ:۱۰)

''پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو چکے تو تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو۔'' (بیان القرآن)

اس آیت کریمہ سے نماز جمعہ کے بعد کاروباری مصروفیات کا جواز ثابت ہوا، مکتب میں اپنے پڑھنے کے زمانے میں جمعہ کی چھٹی کی وجہ سے یوم جمعہ کی عظمت واہمیت دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے، اس لئے ہندوستان میں مسلمان کاروباری لوگ جمعہ کے دن غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کاروبار کے لئے جاتے ہیں، پھر وقت پر نماز جمعہ کے لئے پہنچ جاتے ہیں یا دوکان وغیرہ سے جلدی آ کر اذان جمعہ سے قبل غسل کر کے نماز کے لئے جاتے ہیں۔ اس طرح کاروباری لوگ بمصداق ''ہم خرما وہم ثواب'' یوم جمعہ کے تقاضے کو پورا کر کے حق اللہ بھی بجالاتے ہیں اور کاروبار کر کے بال بچوں کا حق بھی ادا کرتے ہیں۔

الغرض بمصداق ''ایک پنتھ دو کاج'' مکاتب میں جمعہ کی چھٹی محض ایک ہفتہ واری چھٹی نہیں بلکہ یہ نونہالانِ امت کے دلوں میں عظمت جمعہ کا بویا جانے والا ایک بیج ہے، جس سے ایک مدت کے بعد کونپل پھوٹتی ہے، پودا بنتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرکے **اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ** کا منظر پیش کرتا ہے۔ جمعہ کی چھٹی اہمیت جمعہ کی وہ بانگ درا ہے جس کی صدائے باز گشت انہیں زندگی کی ہر جمعہ کو سنائی دیتی ہے۔ جمعہ کی چھٹی جمعہ یوم المسلمین ہونے کے احساس وشعور کا وہ آہنی ستون ہے جو اسلامی شعار وتشخص کو برقرار رکھنے میں معین ومددگار ہے، اس لئے پورا دن بچوں کو آرام ملے یا ماں باپ کو کہیں آنے جانے میں دقت نہ ہو۔ اس غرض سے مکاتب میں جمعہ کے بجائے اتوار کی چھٹی کرنا ''ایک اینٹ کے لئے مسجد ڈھانے'' کے مترادف ہوگا اور اس کے متعلق حکایتِ قرآنیہ کے مطابق حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے الفاظ میں یہی کہا جائے گا کہ:

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ. (البقرہ:۶۱)

''کیا تم اعلیٰ درجہ کی چیز کے مقابلے میں ادنیٰ درجہ کی چیز کو عوض میں لینا چاہتے ہو؟''

مکاتب میں جمعہ کی چھٹی کی معنویت وافادیت کو اگر ایک جملہ میں ادا کرنا ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ جمعہ کی چھٹی نے محض ہفتہ واری ایک دن کی چھٹی کو نہیں، بلکہ دین کو سنبھالا ہے۔ آپ یقین کیجئے برطانیہ میں کئی بچے نماز جمعہ کی ادائیگی سے محروم ہیں یا تو اس لئے کہ نہ اسکولوں میں نماز کی ادائیگی کا کوئی انتظام ہے، نہ وقفہ میں نماز جمعہ کے لئے مسجد آجاسکتے ہیں اور یا اس لئے کہ اسکولوں میں انتظامیہ نے تو عبادت کے لئے کمرہ مخصوص کر رکھا ہے، لیکن جمعہ کی اہمیت دلوں میں نہ ہونے کی وجہ سے بالغ لڑکے بھی جمعہ ادا نہیں کرتے۔ ہندوستان میں فی الحال بچے اور بڑے سب ہی عظمتِ جمعہ کے شعور کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کرتے ہیں، فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ مکاتب میں جمعہ کے دن چھٹی نہ کرنے کی وجہ سے غیروں کو ایک بہانہ مل جائے اور اسکول جانے والے بچوں کے لئے ادائیگی جمعہ میں رکاوٹیں کھڑی کردی جائیں، لہٰذا ہندوستان کے جن مکاتب میں جمعہ کے بجائے کسی اور دن کی چھٹی رائج ہوگئی تو ہوگئی، اگر ان مکاتب کے ذمہ دار حضرات اپنی تجویز پر نظر ثانی نہ کریں تو نہ کریں لیکن ان کے علاوہ دوسرے مکاتب والے اللہ کے واسطے ہمارے بڑوں کی رائج کردہ اس چھٹی کو جاری رکھیں اور جمعہ کے بجائے اتوار کی چھٹی کی ہوس دل ودماغ سے نکال دیں۔ واللہ الموفق



(پہلی قسط)

مفکرِ ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ

مولانا اقبال بن محمد ٹنکاروی صاحب
مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شفقتیں وعنایتیں اس عاجز پر زمانۂ طلب علمی سے مختلف ومتنوع حیثیتوں سے مسلسل جاری تھیں، ایک مشفق ومربی باپ جیسے اپنی اولاد کی بچپن سے لے کر جوانی اور کہولت میں بھی مسلسل فکر رکھتے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صلبی اولاد سے بھی زیادہ اپنی علمی وروحانی اولاد کی فکر کی ہے، آپ کے ہرایک شاگرد کو یہ احساس ہوتا ہے کہ حضرت کو مجھ سے بہت قریبی تعلق ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وسیع المشربی نے اپنے فیض اور تعلقات کو فلاح دارین تک ہی محدود نہیں رکھا؛ بلکہ کسی بھی ادارہ کے فارغ علمائے کرام کی تصنیفی، تالیفی یا تدریسی خدمات کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت کشادہ دلی وخندہ پیشانی سے سراہا ہے۔

کئی نوجوان علمائے کرام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہماری چھوٹی بڑی علمی خدمات کو ہمارے اساتذۂ کرام سے بھی زیادہ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سراہا اور مجمع کے سامنے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی ہے، کتنے نوخیز مصنفین نے مجھے یہاں تک کہا کہ ہماری علمی خدمات کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حوصلہ افزا کلمات نے ہی قائم دائم رکھا ہے، ورنہ گجرات جیسے حوصلہ شکن ماحول میں؛ جہاں ہماری تالیف کی تعریف وتوصیف تو بہت دور رہی کتاب ملنے پر وصول یابی کی اطلاع تک نہیں دی جاتی، ملاقات کے موقع پر بھی بھول سے تذکرہ تک نہیں ہوتا، وہاں حضرت جیسے مشفق عالم دین ہماری اتنی قدر کرتے ہیں کہ آپ کی ملاقات کے بعد ساری حوصلہ شکنیوں کو فراموش کر کے ہم تازہ دم ہوجاتے ہیں، اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم کوئی کام کررہے ہیں۔

ایسے مشفق ومربی استاذ محترم کی کرم فرمائی میں کیا لکھوں؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو

بہت ساری صلاحیتوں اور صفات سے نوازا ہے، ان میں ہم طالب علموں کے لئے جو سب سے بڑی فائدہ مند علمی منفعت والی چیز ہے، وہ حق تعالیٰ شانہ کا آپ کو مردم شناسی کے وصف خاص سے نوازنا ہے۔

آپ نے ماہر اساتذہ کی تلاش میں لمبے لمبے تکلیف دہ اسفار کئے اور منت سماجت کر کے ایسے لائق وفائق اساتذہ جمع فرما دیئے تھے جنہوں نے فلاح دارین کو خونِ جگر اور آہِ سحر سے سینچنے میں آپ محترم کی مکمل معاونت کی اور بنیان مرصوص بن کر فلاح دارین کو ترقی کے بام عروج پر پہنچایا۔

کسی بھی مدرس کی تدریسی کامیابی یہ ہے کہ متعلق اسباق سے اس کو ذاتی دلچسپی ہو، وہ اس کو ذوقی ووجدانی کیفیت سے پڑھاتا ہو، اس فن میں اس کو کمال حاصل ہو، محض رسمی وقت گذاری نہ ہو، نیز تفہیم کی صلاحیت سے بھی نوازا گیا ہو، تو پھر وہ اپنے طلبہ کو مکمل طور پر مطمئن کر سکتا ہے۔

الحمدللہ! فلاح دارین کے ہمارے ان اساتذۂ کرام میں سے ہر ایک کو ہم نے اسی ذوق ووجدان اور فنی کمال والا پایا، ہر ایک کا اپنا ایک نرالا انداز تھا۔

یہ سب کمال ہے اللہ پاک کے اس نیک وصالح بندے (رئیس الجامعہ) کا جو اپنی محنت اور اخلاص کے ساتھ فلاح دارین کو سینچنے میں مختلف رنگت وخوشبو والے گلوں کو چن چن کر جمع کرنے میں لگا ہوا تھا۔

حضرت کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی استاذ صاحب رخصت پر ہوں تو آپ طلبۂ عزیز کو دفتر میں بلاتے تھے، اس وقت کتاب کے متعلق معلومات کے علاوہ استعداد بنانے کے جوگر بتاتے تھے وہ یقیناً بہت قیمتی تجربات ہوتے تھے، طالب علم کو آپ کے درس سے توانائی ملتی تھی، اس کی بیٹری چارج ہو جاتی تھی، اور کئی دنوں تک نئے حوصلے واُمنگ کے ساتھ مطالعہ وتکرار میں لگا رہتا تھا، طلبۂ عزیز کی صرف مدرسہ کی چہار دیواری میں ہی آپ نے نگرانی ورہنمائی نہیں فرمائی؛ بلکہ فراغت کے بعد بھی ان کی مسلسل فکر رکھتے ہیں، ان کا تفقد کرتے ہیں، اچھی کتابوں کی طرف رہنمائی کرنا، معلومات کے تبادلہ کی کوشش کرنا اور اس سلسلہ میں متعدد بار علماء کو خطوط کے ذریعہ جوڑنے کی کوشش بھی شامل حال ہے، بندہ کے نام ۱۳/اکتوبر ۱۹۹۹ء کو کنیڈا سے لکھے ہوئے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''بندہ نے ترکیسر عریضہ لکھا تھا کہ ارباب ذوق اساتذہ کی ایک انجمن بنائی جائے، ماہ دو ماہ میں مختلف جگہ جمع ہوں، اور نئی کتابوں سے مضامین کے بارے میں تبادلۂ خیالات کریں، ایک دوسرے کو اچھی کتابیں پہنچائیں، ''مجلس ارباب ذوق'' یا ''مجلس اخوان الصفا'' نام رکھا جا سکتا ہے۔''

ایک دوسرے خط (۱۲/جون ۲۰۰۱ء کنیڈا) میں تاریخی معلومات لکھتے ہوئے اس قسم کی مجلس کا ذکر کرتے ہیں، تیسرا خط ۱۲/اگست ۲۰۰۱ کا لکھا ہوا ہے؛ اس میں تحریر فرماتے ہیں:

''...الحمدللہ! ہمارے بھروچ ضلع کے مدرسوں میں بعض اساتذہ علمی ذوق کے ہیں، جمبوسر، کنتھاریہ، بھروچ، کھروڈ، ہانسوٹ، ترکیسر، رانڈیر، ڈابھیل کے ایسے باذوق اساتذہ اپنی ایک انجمن قائم کریں، اور ماہ دو ماہ میں ایک مجلس ہو جس میں علمی موضوعات نیز کتب جدیدہ پر تبادلۂ معلومات ہو تو بہت فائدہ ہوگا۔''

ان دونوں خطوط سے حضرت کا فارغ شدہ طلبۂ عزیز کے ساتھ علمی ربط وتعلق اور ان کی معلومات میں اضافہ ہو، اس کی فکر اور اس سلسلہ میں وہ کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہتے تھے؛ لیکن فارغین کی طرف سے سرد مہری دیکھ کر آپ نے خود ہی چند ماہ پہلے ایک علمی مجلس منعقد کروائی اور اس میں گجرات بھر کے مدارس اسلامیہ کے اساتذۂ کرام اور ذمہ داروں کو مدعو فرما کر ایک باقاعدہ کمیٹی بنوائی اور ان کی ذمہ داری کے خطوط اربعہ طے کرتے ہوئے پھر دوبارہ جمع کیا اور شدید بیماری کے باوجود اس میں بڑی جگر سوزی کے ساتھ احساس ذمہ داری کی طرف توجہ منعطف کرائی۔

طلبہ میں مطالعہ کا ذوق کیسے پیدا ہو اور انحطاط کے اسباب کیا ہے؟ اس پر غور وخوض کے لئے تقریبا ۲۰۰۹ء میں مسجد عائشہ کاپودرا میں ایک بڑی مجلس کا انعقاد کیا تھا، اسی طرح چند سال پہلے ایک مجلس کا انعقاد کر کے مدارس گجرات کے اساتذۂ کرام کو تدریسی اصول وتربیتی نظام وغیرہ سمجھائے گئے، انفرادی مجالس میں بھی آپ کی مسلسل یہ کوشش رہتی تھی کہ مدارس کے فضلاء اپنے اوقات عزیزہ وغالیہ کو زیادہ سے زیادہ بارآور ثابت کریں، باہمی علمی اتحاد واتفاق اور تعارف وتناصر کا جذبہ قائم ودائم رکھے، افراد سازی کی مہم تیز تر ہو، اس عنوان پر مختلف بہانوں سے علمائے کرام کو مدعو کرنا، ان کی خاطر خواہ مہمان نوازی کرنا، کاپودرہ میں شاندار کتب خانے کی قیمتی عربی اردو کتابیں مدارس کے اساتذہ کو مطالعہ کے لئے عنایت فرمانا؛ یہ آپ کی کشادہ دلی کے ساتھ اندرونی کڑھن اور ایک عظیم مقصد کی غماز ہے۔ مدرسین کے مسائل میں بھی مشورہ کرنے پر صحیح معقول بات کی رہنمائی کرنا، انتظامیہ کے ساتھ تعاون، طلبۂ عزیز کی علمی ترقی کی فکر وغیرہ چیزوں کی طرف توجہ منعطف کرانا ہوتا تھا۔ تو انتظامیہ کے آنے پر اساتذہ کے ساتھ ہمدردی اور ان کی ضروریات کا لحاظ کرنا وغیرہ باتوں کی تلقین کی جاتی تھی۔ اس طرح الحمدللہ گجرات کے سارے مدارس علمی عملی، تربیتی وروحانی نقطۂ نظر سے حضرت کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، روزانہ کسی نہ کسی مدرسہ کے اساتذہ

یا ذمہ داران بلکہ دوسرے دینی ملی، سماجی، رفاہی، سیاسی اور اسکول کالج سے وابستہ تعلیمی حضرات بھی مفکر ملت کی خدمت میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے حاضر ہوتے تھے، مجھے تو حضرت کی طرف سے ان کی مہمان نوازی کا منظر دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔حضرت کے گھر کی مستورات کی یہ بہت بڑی قربانی ہے اور ساتھ میں حضرت کی طرف سے بھی مالی خرچ برداشت کرنا آج کی مہنگائی کے دور میں بہت بڑا ایثار ہے۔آج کی دنیا تجارتی سوچ والی ہے، نفع نقصان کا تخمینہ لگا کر کسی پر خرچ کیا جاتا ہے، وہیں جان و مال اور قیمتی وقت کو خالصۃً لوجہ اللہ خرچ کرنا بڑی اولوالعزمی کی بات ہے، اور **انما نطعمکم لوجہ اللّٰہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا** کی عملی تفسیر ہے۔

دارالعلوم فلاح دارین

جیسے مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح حضرت کا فلاح دارین کے ساتھ تعلق تھا، فلاح دارین اینٹ، ریت اور پتھر کی بلڈنگ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک زندہ متحرک علمی اور عملی تربیت گاہ ہے، جس کو آپ نے خون جگر اور آہ سحر گاہی سے سینچا ہے، اس کے ایک ایک کل پرزے کو درست کرنے اور اس کے گیسو کو سنوارنے میں آپ نے اپنی حیات مستعار کے اوقات عزیزہ صرف کئے ہیں، فلاح دارین کی درودیوار اور شجر وحجر کا ہر پتہ وذرہ آپ کی خدمت ومحنت کا شاہد ہے۔آپ ہر وقت طلبہ، اساتذہ وکارکنان کو ہر طرح کی راحت فراہم کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔آپ نے سردی، گرمی اور ناخوش کن حالات کا مقابلہ کر کے دارالعلوم کو ترقی دینے، اس کے گیسو اور نوک و پلک درست کرنے اور اس کو ترقی کی معراج پر پہنچانے کے لئے اپنی ذات وقف کردی تھی۔

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ کوئی بھی ادارہ صرف ایک دو آدمیوں کی محنت سے ترقی نہیں کرسکتا، اس کے مختلف شعبہ جات میں ایک مشین کے مختلف کل پرزوں کی طرح مختلف صلاحیات واستعداد رکھنے والے افراد کی ضرورت ہوتی ہے، فلاح دارین بھی تنظیمی وتعمیری ترقی کے ساتھ تعلیمی وتربیتی ترقی میں ایسے بہترین باصلاحیت، اعلی استعداد رکھنے والے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے والے حضرات سے مالا مال رہا جنہوں نے اپنے خون جگر اور آہ سحر گاہی سے ادارہ کو ترقی کے بام عروج پر پہنچایا۔

یہ حضرات اساتذۂ کرام آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمدم وہمراز بن کر ہر نشیب وفراز اور ترشی وتلخی اور ہر آزمائش میں شانہ بشانہ ہو کر معاصرین واخلاف کے لئے ایثار وقربانی اور وفاداری کا ایک نمونہ قائم کر گئے۔

فلاح دارین کا نصاب

حضرت مفکر ملت نے فلاح دارین کے نصاب کی تعیین میں جس فکری اعتدال اور عصر حاضر کی ضروریات ومقتضیات کا لحاظ فرمایا اور طلبۂ عزیز کو مختلف فنون کی کتابیں پڑھانے والے متبحر وتجربہ کار اساتذۂ کرام کو تلاش کر کے جمع کیا، یہ آپ کا ہم طلبہ کے ساتھ بہت بڑا احسان ہے، آپ نے ہمیں ایک فکر عطاء فرمایا، تصلب فی الدین کے ساتھ عصری ضروریات، لسانیات اور مختلف فنونِ جدیدہ کا اضافہ کیا اور ایک متحرک زندہ نصاب سے بہترین ٹیم تیار کی۔ آپ کے حسن عمل، ذہنی فکر، دل دردمند اور زبان ہوشمند کے نتیجہ میں جو افراد تیار ہوئے وہ الحمدللہ تعالی اپنے اپنے دائرۂ عمل میں بہت کامیابی سے خدمات انجام دے رہے ہیں، نصاب کی قدرے جدت نے قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے مضامین کے حصول میں کوئی خلا نہیں محسوس ہونے دیا، عربی زبان کی مسلسل محنت اور نئے اسالیب عربیت نے طلبہ کی علمی صلاحیتوں میں اضافہ کیا۔ وہ سطحیت جس کا خطرہ دیگر اداروں کے تجربہ سے لوگوں نے محسوس کیا تھا، الحمدللہ تعالی فلاح دارین میں علیا کے بہترین صلاحیت والے اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور حضرت مفکر ملت کی اس طرف خاطر خواہ توجہ نے اعتدال کے ساتھ تمام علوم وفنون میں یکساں بارآوری فرمائی۔

اسی طرح تجوید وقراءت جس کا قرآنی علوم میں سے ہونے کی وجہ سے حق بھی بنتا تھا، اس کو بھی آپ نے اس کا صحیح حق دلوانے میں بہت محنت فرمائی، آج جب کہ سارے مدارس میں اس کی اچھی فضا بن چکی ہے اور ماحول بڑا ساز گار ہے، میری یہ بات اتنی اہمیت نہیں رکھتی ہے؛ لیکن اُس وقت قراءت سبعہ متواترہ کے سلسلے میں لوگوں کی زبانیں جہالت عن القرآن وعلوم القرآن کا ثبوت پیش کر رہی تھی- اور حضرت مفکر ملت رحمۃ اللہ علیہ عربی زبان اور تجوید وقراءت کے سلسلے میں مدارس اسلامیہ کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے- ہر سنی سنائی بات آپ کی طرف منسوب کر کے پھیلائی جارہی تھی، لیکن آپ نے صبر وثبات سے اس کا مقابلہ کیا اور آج وہی چیزیں مدارس کے لئے باعث افتخار بنی ہوئی ہے۔

تلك الايام نداولها بين الناس.

عمومی تعلیمی دل چسپیاں

حضرت مفکر ملت نے تعلیمی بیداری کے عنوان سے نصاب تعلیم کی تبدیلی کے ساتھ نظام تعلیم وطریقہ

تدریس پر بھی خصوصی توجہ مبذول فرمائی ہے، چنانچہ ۲۸/ ذی قعدہ بروز جمعرات ۱۴۲۹ھ کا پودرہ میں مجلس تعلیمی گجرات کی زیرِنگرانی بڑے مدارس کے اساتذۂ کرام نے شرکت فرمائی، اس موقع پر حضرت مفکر ملت نے جو تاریخی خطاب فرمایا اس میں بہت ہی قیمتی مواد اساتذہ وطلبہ اور منتظمین کے لئے جمع فرمادیا، ہم نے اس خطاب اور اس میں اساتذۂ مدرسہ کی طرف سے پیش کی جانے والی آراء کا گجراتی ترجمہ کرکے دارالعلوم باٹلی والا سے شائع ہونے والے گجراتی پرچہ ''پیغام رحمت'' میں شائع کیا، تو بہت سارے احباب نے اس پر تحسینی کلمات فرمائے۔

اس کے بعد یہ فکر انگیز خطاب المعہد الاسلامی مانک مؤ سہارنپور سے اردو میں شائع ہوا، اور اس کا عنوان ''تعلیمی، تدریسی اور فکری بیداری فنی اساتذہ کرام ہی پیدا کر سکتے ہیں'' رکھا گیا۔

اسی طرح مکاتب کے اساتذۂ کرام کو جمع کرکے ایک خطاب باٹلی (U.K.) شہر میں فرمایا، اس کو بھی ''پیغام رحمت'' میں گجراتی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا گیا۔

حضرت کا لقب ہی ''مفکر ملت'' ہے جو اسم با مسمّی ہے، کیوں کہ آپ امت مسلمہ کے تمام طبقات کے دین کی فکر کرتے تھے، خصوصا مدارس، مکاتب کے ساتھ آپ کو اسکول کالج کے مسلم طلبۂ عزیز و اساتذۂ کرام کی بھی بہت فکر دامن گیر رہتی تھی۔

اس کے لئے آپ وقتا فوقتا اسکول کے طلبہ و اساتذہ کے سلسلے میں لکھتے رہتے تھے، نیز بیانات میں بھی ان کی رہنمائی فرماتے تھے۔

لارڈ میکالے کے لادینی نظام تعلیم کے تدارک کے لئے آپ نے ایک چھوٹا سا رسالہ گجراتی زبان میں شائع فرمایا ہے، جو درحقیقت سورتی سنی وہورا کمیٹی کی ۲۵/ سالہ تقریب کے موقع پر آپ کا دیا ہوا خطاب ہے، اسی طرح اس وقت کی حکومت نے جو نیا تعلیمی نظام و پالیسی پیش کی ہے اس سے بھی آپ بہت فکرمند ہیں، چنانچہ حضرت کے ایماء پر ہی بندہ نے اسکول کی پانچویں کلاس سے لیکر بارہویں تک کے نصاب کا مطالعہ کیا اور اس میں جو چیز عقائد، تاریخ، فلسفہ، سماجیات، سیاسیات، سائنس، اقتصادیات اور اصول قانون کے عنوان سے پڑھائی جاتی ہے، ان میں اسلام کے خلاف نظریات یا ان میں اسلامی نقطۂ نظر کا ذکر نہ کرنا ایک مسلمان طالب علم اور استاذ کو ذہنی و قلبی طور پر پریشان کرتا ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس سلسلے میں اسلام کوئی رہنمائی ہی نہیں کرتا ہے؛ جبکہ اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات میں اس کا بدل یا اس کا حل موجود ہوتا ہے۔

اس کے تدارک کے لئے بندہ نے عقائد، سیرت، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، سائنس، اقتصادیات

اور اصول قانون کے موضوع پر گجراتی میں کتابیں لکھنے کا آغاز کیا تھا اور الحمدللہ تعالیٰ تمام موضوعات پر کتابیں تیار ہوچکی ہیں۔ **الحمد لله تعالى على ذالك .**

اس سلسلے میں حضرت مفکر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب ''مسلم سائنسدانوں کی گراں قدر سائنسی خدمات'' کا گجراتی ترجمہ مولانا فرید بیگ فلاحی صاحب سے کرواکر دوبارہ اس کو شائع کرواکر مختلف اسکول کے ٹیچروں کو پہونچایا تھا۔

عربی زبان کے ساتھ والہانہ تعلق

عربی زبان کے ساتھ والہانہ تعلق نے آپ کو صاف ستھری سلجھی ہوئی بہترین عربی زبان ارتجالا بولنے پر قدرت عطاء فرمائی۔ گجرات بلکہ ہندوستان کے چندہی مہتمم حضرات کو ہم نے بہترین عربی اردو زبان بولنے والا پایا، آپ کو عربی کے سینکڑوں اشعار زبانی یاد ہیں، اسی طرح عربی نثر کے بھی مختلف جملے آپ کو زبانی یاد ہیں، آپ نے دیوبند سے نکلنے والے پرچے ''الیقظۃ'' میں جو حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی کی زیرنگرانی اور حضرت مولانا عمید الزماں (رئیس التحریر) ومولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم (سکریٹری التحریر) کی مشترکہ کوششوں سے شائع ہوتا تھا، اس میں شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ مطابق فروری ۱۹۶۱ء میں کئی مضامین لکھے ہیں، جن میں سے ایک مضمون کی چاشنی سے آپ کو بھی محظوظ کرانا چاہتا ہوں:

> **....ونحن نعيش الآن فى عهد قد تطورت طرق الحياة الاجتماعية وشاعت النظريات الجديدة والفلسفات الغربية الضالة المضلة وقد تفرقت الشعوب شيعا واحزابا، فهولاء يدعون الى اللا دينية ، وهولاء ينادون الشيوعية، وهولاء يهتفون بالقومية والوطنية وبتعبير فضيلة الاستاذ ابى الحسن على الندوى "ردة ولا ابابكر لها" فواجبنا ان نتسلح بسلاح جديد لمحاربتها والدفاع عن الاسلام.(شعبان المعظم سنة ١٣٨٠هـ مطابق فبرائر سنة ١٩٦١ء)**

اسی پرچہ کے ایک دوسرے شمارہ (اگست ۱۹۶۱ء) میں مولانا عمید الزماں صاحب اپنے اور حضرت مفکر ملت کے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی خدمت میں الیقظہ کے سلسلے میں حاضری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قد حظيت انا وصديقى الاستاذ عبدالله السورتى بزيارة فضيلة الشيخ ابى الحسن على الحسنى الندوى فى شهر ذى القعدة فى مدينة "ميرتھ" وكانت هذه هى المرة الاولى التى تشرفت فيها بزيارة سماحته ، فعرفنا (انا والاستاذ عبدالله) انفسنا اليه فاستقبلنا الشيخ استقبالا حارًّا يليق بالصّغار واظهر لنا حفاوة زائدة وعاملا مُعاملة اب عطوف واستاذ كريم ومستشار مخلص وبالغ فى اكرامنا عند ما علم اننا نقوم بادارة اليقظه واعرب عن ارتياحه الكبير وسروره البالغ باصدارنا هذه الجريدة وشجعنا كثيرا على مواصلة هذا العمل المثمر واستغرقت زيارته ساعة كاملة وتحدثنا معه ووجهنا إليه بعض الاسئلة كما طلبنا اليه ان يبدى رأيه من الكتاب القديرين فى مصر كالدكتور طٰهٰ حسين واحمد امين وحسن زيات ومحمود عباس العقاد فعلّق لنا على اسلوب كتابتهم ونقد هم واظهر لنا ما هى ميزات كل منهم وما يوجد فى كتب بعضهم من نقص فى ناحية البحث والحديث.

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے آپ دونوں بزرگوں کی خدمات کو سراہتے ہوئے اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے وقیع کلمات سے نوازا، چنانچہ فرماتے ہیں:

ولٰكن صدور صحيفة باللغة العربية من دار العلوم ديوبند كبرى المدارس العربية فى الهند ، حادث يسترعى الانتباه ويثير الاهتمام ويستحق التهنئة والتشجيع وتعقد به اٰمال كبار لذلك نهنئ القائمين على شئون هذه المجلة على نشاطهم ويقظتهم ونتمنى لهم التوفيق والنجاح. (ابوالحسن علی الحسنی الندوی، میرٹھ ۵/۱۱/۸۰ھ)

فضیلۃ الشیخ محمد مجذوبؒ جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے، اور بعد میں ان کی ہی سعی سے فلاح دارین کا جامعہ مدینہ منورہ سے الحاق ہوا تھا، آپ نے فلاح دارین میں چند روز گذارے تھے، حضرات اساتذہ کرام سے بھی آپ کی کئی مجالس ہوئی، حضرات اساتذۂ کرام کے ساتھ کئی مسائل پر بحث

ہوئی، اس میں ''مؤلفۃ قلوب'' کو زکوۃ دینے کے سلسلہ میں حضرت مفتی احمد بیمات صاحبؒ (شیخ الحدیث) اور حضرت مولانا ابرار صاحبؒ سے مباحثہ ہوا، اس کے بعد فجر میں حضرت مفکر ملت کے سامنے ان اساتذۂ کرام کی بہت تعریف وتحسین فرمائی، مدینہ منورہ جانے کے بعد حضرت مفکر ملت کی شخصیت، عربیت، اخلاق حمیدہ وغیرہ سے متأثر ہوکر ایک مضمون آپ کی سوانح پر لکھا، اس میں حضرات اساتذۂ کرام کے متعلق ایک جملہ لکھا ہے:

وبلغ مدرسوها الواحد والثلاثين، وفيهم من يضاهي اكابر علماء العالم الاسلامي.

فلاح دارین کے متعلق لکھا ہے:

والداخل الى ساحته لا يستطيع الا الموافقة على قول سماحة الشيخ ابى الحسن الندوى عنها بانها (جنتان عن يمين وشمال) وحدث ولا حرج، عن مدرسة الراسخين فى العلم ، وعن طلابه النظاميين الذين وجدنا فيهم من يستظهر الاجزاء الكثيرة من كتاب الله ، ويتلوها فى تجويد يكاد يزاحم به كبار المقرئين المشهورين، وهو الذى لم يبارح سن الحداثة.

اسی مضمون میں ایک خط شیخ مجذوبؒ نے مفکر ملت رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف وتحسین اور خاص کر کے آپ کی عربیت، فصاحت وبلاغت اور معلومات کی وسعت کے متعلق لکھا ہے، یہ ایک بڑے عرب عالم اور شیخ کی شہادت علمیہ ہے، جو عالم اسلام کے ہزاروں علمائے کرام سے ملاقات کر چکے ہیں، اور جن کی فلاح دارین اور حضرت مفکر ملت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے کوئی دنیوی منفعت وابستہ نہیں تھی۔

(جاری)



اچھا مسلمان

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر
استاذ دارالعلوم وقف دیو بند

تمام مخلوقات میں اللہ نے انسان کو جو شرف و امتیاز بخشا ہے وہ کسی دوسری مخلوق کو نہیں بخشا، جن ایک مخلوق ہے اسے عبادت کا مکلّف بنایا گیا ہے، فرشتے ہیں، معصوم ہیں، ہمہ وقت ذکرِ الٰہی میں منہمک ہیں لیکن یہ امتیاز و اعزاز انسان کو دیا گیا انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے عمل سے اس کا ثبوت بہم پہنچائے کہ وہ اشرف ہے اور کائنات کی سب سے افضل مخلوق ہے، وہ انسان جو ایمان کی دولت سے سرفراز کئے گئے اور جنھیں اللہ کی وحدانیت کے اقرار کی سعادت حاصل ہوئی ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اچھا مسلمان بن کر دکھائے ایک ایسا مسلمان جو تعلیماتِ قرآن کا نمونہ اور اسوۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کاربند رہنے والا ہو، اچھا مسلمان دنیا کے لیے رحمت ہے کہ اس کے وجود سے انسانوں کو راحت حاصل ہوتی اور اس کی ہمدردی و بہی خواہی سے عالم فیض یاب ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک فرمان کی روشنی میں ایک اچھے مسلمان میں کیا چیزیں ہونی چاہئیں، کن عادات کا وہ حامل ہو اور کن چیزوں پر عمل پیرا ہو وہ اتنی وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہیں کہ اگر انسان ان پر عمل کرے تو اس سے اچھا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ مختلف مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے مسلمان کے لیے جو ضروری قرار دیا ہے اس کو ہم احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اعمال کا دارومدار صرف نیت پر ہے، اور آدمی کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی''۔ (بخاری، مسلم)

ایک آنے والے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ''ایمان کیا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو، اس کے فرشتوں، اس کی بھیجی ہوئی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور آخرت

کوحق جانو اور حق مانو اور اس بات کو بھی مانو کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے چاہے وہ خیر ہو یا شر''(مسلم شریف)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا:

''جانتے ہو اللہ واحد پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟''۔

انھوں نے عرض کیا:''اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر علم رکھتے ہیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایمان یہ ہے کہ آدمی اس حقیقت کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز ٹھیک طریقے سے ادا کرے، زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے''(مشکوٰۃ شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس نے اللہ کے لیے دوستی کی اور اللہ کے لیے دشمنی کی اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روک رکھا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کیا''۔(بخاری شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایمان کا مزا اس شخص نے چکھا جس نے اس بات کو مان لیا اور (دل وجان سے) تسلیم کرلیا کہ اللہ اس کا رب ہے، اسلام کا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں''۔(بخاری شریف، مسلم شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص (سچا اور پکا) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کی نگاہ میں اس کے باپ، اس کے بیٹے اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں''(بخاری شریف ومسلم شریف)

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا:

''میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں''۔

آپ نے فرمایا:''جو تم کہتے ہو اس پر غور کرلو اور سمجھ لو''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو فقر وفاقہ کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہوجاؤ (کیوں کہ) جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی طرف فقر وفاقہ سیلاب سے زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھتے ہیں''(ترمذی شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت کے سب لوگ جنت میں جائیں گے مگر وہ جنت سے محروم رہیں گے جنھوں نے انکار کیا''۔
لوگوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انکار کون کرے گا؟''۔
آپ نے ارشاد فرمایا:
''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا، جس نے نافرمانی کی اس نے انکار کیا''۔(بخاری شریف)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''اللہ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں انھیں برباد نہ کرنا، کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کا ارتکاب نہ کرنا، کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کا ارتکاب نہ کرنا، کچھ حد بندیاں کی ہیں انھیں پھلانگ کر آگے نہ بڑھنا، کچھ چیزوں سے اس نے سوچ سمجھ کر خاموشی اختیار کی ہے تم ان کی کرید میں نہ پڑنا''۔(مشکوٰۃ شریف)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ:
''یہ دعا جسے ہم اپنی بیماریوں کے سلسلے میں کرتے ہیں اور یہ دوائیں جو ہم اپنے مرض کو دور کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور یہ احتیاطی تدابیر جو ہم دکھوں اور مصیبتوں سے بچنے کے لیے اختیار کرتے ہیں، کیا یہ اللہ کی تقدیر کو ٹال سکتی ہیں؟''۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''یہ سب چیزیں بھی تو اللہ کی تقدیر میں سے ہیں''۔(ترمذی شریف)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:
ترجمہ : اس دن زمین اپنے سارے احوال بیان کرے گی) اور صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا:
''جانتے ہو احوال بیان کرنے کا مطلب کیا ہے؟''۔
صحابہؓ نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو علم زیادہ ہے''۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زمین قیامت کے دن گواہی دے گی...... بیان کرے گی کہ فلاں مرد اور فلاں عورت نے میری پیٹھ پر فلاں دن فلاں وقت برا یا اچھا کام کیا یہی مطلب ہے اس آیت کا لوگوں کے اعمال کو 'اخبار' کہا گیا ہے''۔(ترمذی شریف)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''تم میں سے ہر شخص سے اللہ تعالیٰ براہ راست گفتگو کرے گا (حساب لے گا) اور وہاں نہ تو کوئی اس

کا سفارشی ہوگا اور نہ کوئی اوٹ ہوگی جو اسے چھپالے، یہ شخص اپنی داہنی جانب دیکھے گا (کسی سفارشی کے لیے) تو سوائے اپنے اعمال کے اسے اور کوئی نظر نہ آئے گا، پھر بائیں طرف تاکے گا تو ادھر بھی سوائے اپنے اعمال کے اور کوئی دکھائی نہ دے گا، پھر سامنے کی طرف نظر دوڑائے گا تو ادھر بھی صرف دوزخ کو (اس کی تمام ہولناکیوں کے ساتھ) دیکھے گا، تو اے لوگو! آپ سے بچنے کی فکر کرو، ایک کھجور کا آدھا حصہ ہی دے کر سہی''۔ (بخاری شریف، مسلم شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں حوض (کوثر) پر تم سے پہلے پہنچ کر تمہارا استقبال کروں گا اور تمھیں پانی پلانے کا انتظام کروں گا جو میرے پاس آئے گا کوثر کا پانی پیئے گا اور جو پیئے گا اسے پھر کبھی پیاس نہ لگے گی اور کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے میں انھیں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے لیکن انھیں میرے پاس پہنچنے سے روک دیا جائے گا، تو میں کہوں گا ''یہ میرے آدمی ہیں'' (انھیں میرے پاس آنے دو) جواب میں مجھ سے کہا جائے گا کہ ''آپ نہیں جانتے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں کتنی نئی چیزیں (بدعات) داخل کردی ہیں، تو میں کہوں گا ''سحقا سحقا دوری ہو، دوری ہو، ان لوگوں کے لیے جنھوں نے میرے بعد دین کے نقشے کو بدل ڈالا''۔ (بخاری شریف)

ایک اچھے مسلمان سے متعلق احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت جو نقشہ بنتا ہے اس نقشہ میں دیکھئے آپ کہاں نظر آرہے ہیں، آپ کی جگہ کون سی ہے اور آپ کس خانہ میں فٹ ہیں، اگر یہ سب کچھ ہم نہیں تو سمجھ لیجئے ہم کمزور مسلمان ہیں ہماری ذات سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں، ہم کسی کے لیے نمونہ نہیں بن سکتے اور نہ ہم میں کوئی ایسی خصوصیت ہے جو دوسروں کو ہماری جانب متوجہ کرے۔ نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا، حج کرنا۔ یہ وہ فرائض ہیں جن میں سے کچھ ہر صورت میں ادا کرنے ہیں اور کچھ وہ ہیں کہ جن کا تعلق احوال سے ہے، اس کے سوا بھی انسان کی ایک زندگی ہے جو اسے اچھے اور برے انسانوں کی فہرست میں شامل کرتی ہے اسی زندگی کا نقشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا اقوال سے ابھرتا ہے جس کی زندگی میں یہ نقوش گہرے ہوں گے ظاہر ہے وہی اچھا مسلمان کہلائے گا۔

نوٹ : دہلی سے نکلنے والا اخبار ہفت روزہ ''مسرت'' میں اس عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا تھا، جس کا بنیادی مواد جوں کا توں ہے۔ اس مضمون کی ابتدائی اور انتہائی سطور احقر کی تحریر کردہ ہیں۔ (ن-ا)

❁……✦……❁

نواسۂ حضرت تھانویؒ

حضرت مولانا مشرف علی عارف تھانویؒ جوارِ رحمت میں

مولانا محمد قاسم لوہاروی
گنگوہ، ضلع سہارنپور

۱۴؍شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ دوشنبہ مطابق یکم مئی ۲۰۱۸ء کو خانوادہ حضرت تھانویؒ کے چشم و چراغ، مشہور بزرگ، عارف باللہ مولانا مفتی مشرف علی عارف تھانوی ہزاروں مریدین وشاگردان کو روتے چھوڑ کر، دیارِ رسول، جنت البقیع میں اپنے خالق حقیق سے جا ملے۔ مولانا مشرف علی تھانوی حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی ربیبہ، چھوٹی پیرانی صاحبہ کی بیٹی، اہلیہ فقیہ ملت حضرت مولانا جمیل احمد تھانویؒ، صدر مفتی واستاذ حدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کے فرزند ارجمند تھے۔

اس دیارِ غیر میں کیسے کیسے آفتاب وماہتاب علم وعمل کے نیّر تاباں نے رختِ سفر باندھا، یہ ہماری بداعمالیوں، ناقدردانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان خاصانِ خدا کو اپنے یہاں بلا لیا جس کے تصور سے بھی آنکھیں اشک بار اور دل بے قرار ہے، اسی طرح مملکتِ خداداد میں محدثین ومفسرین، علماء وصلحاء کی ایک بڑی جماعت رخصت ہوگئی۔ ابھی ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ اہل حق کے ترجمان خانوادہ حضرت نانوتویؒ کے شارح خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کا سانحہ وفات سے آنکھیں خشک بھی نہ ہوئی تھیں کہ ایک عظیم شخصیت امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے فرزند حضرت مولانا سید عطاء المؤمن شاہ بخاری بھی ۲۳؍اپریل ۲۰۱۸ء بروز پیر ملتان میں داغِ مفارقت دے گئے۔ ابھی اس خبر وحشت اثر سے طبیعت سنبھل نہ پائی تھی کہ یکم مئی ۲۰۱۸ء کو نواسہ حضرت تھانویؒ بھی چل بسے۔ شاید علماء دیوبند کے لئے ہی کسی شاعر نے سچ کہا ہے:

کارواں سے کیسے کیسے لوگ رخصت ہوگئے
کچھ فرشتے چل رہے تھے جیسے انسانوں کے ساتھ

ذکر خدا و کار جہاں یاد رفتگاں
دو دن کے اس قیام میں کیا کیا کرے کوئی

حضرت مولانا مشرف عارف تھانویؒ کی ولادت ربیع الاول ۱۳۵۸ھ-۱۹۳۹ء میں تھانہ بھون میں ہوئی۔حکیم الامت حضرت تھانویؒ صبح ناشتہ فرمارہے تھے کہ ایک قاصد نے آکر آپ کو یہ خوشخبری سنائی کہ آپ کی ربیبہ اہلیہ حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے یہاں ایک بچہ تولد ہوا ہے، حضرت تھانویؒ کو اس خبر سے بے انتہا مسرت ہوئی، ناشتہ سے فارغ ہو کر حضرت خانقاہ تشریف لائے تو مفتی جمیل احمد تھانوی نے حاضر ہو کر بچہ کے لئے نام تجویز کرنے کی درخواست کی، حضرت نے چار نام تجویز فرمائے: جمیل احمد، امیر احمد، خلیل احمد، شکیل احمد۔ حضرت تھانوی کے خلیفۂ خاص حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے عرض کیا: میرا دل چاہتا تھا کہ اگر حضرت کے یہاں کوئی لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام اشرف علی رکھوں گا، آپ کے یہاں تو کوئی اولاد نہیں ہوئی، اب یہ آپ کی بیٹی کے بیٹا پیدا ہوا ہے، یہ آپ کا ہی بیٹا ہے۔ اگر منظور فرمائیں تو اس بچہ کا نام مشرف علی رکھ دیا جائے۔ حضرت نے منظور فرمالیا اور اس بچے کا نام مشرف علی رکھ دیا گیا۔ اگرچہ مفتی جمیل احمد تھانویؒ نے اس کا تاریخی نام مرغوب علی رکھا، لیکن زبان زد عام خواجہ صاحبؒ کا رکھا ہوا نام مشرف علی ہی رہا۔ اس بچے کی بڑی بہنیں عمیدہ اور مفیدہ بھی تھیں، خواجہ صاحب نے فی الفور مناسب حال یہ شعر عرض کیا:

عمیدہ، مفیدہ، مشرف علی
یہ تینوں ہیں اولاد اشرف علی

مشرف علی تین چار سال کے ہوئے تو حضرت تھانویؒ اپنے ساتھ کھانے و ناشتہ میں شریک فرماتے، اگر موجود نہ ہوتے تو ان کو بلا لیتے۔ ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ ناشتہ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، ساتھ میں مشرف علی بھی تھے۔ پیرانی صاحبہ کچن میں ناشتہ لینے گئی ہوئی تھیں، چارپائی پر ایک گوٹے کا کپڑا پڑا ہوا تھا، حضرت تھانویؒ نے مثل پگڑی کے مشرف علی کے سر پر باندھ دیا، پیرانی صاحبہ ناشتہ لے کر آئیں تو دیکھا اور پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کیا، حضرت نے جواب میں فرمایا کہ جب یہ بچہ حافظ قاری عالم فاضل بن کر فارغ ہوگا اور اس کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی جائے گی تو میں نہیں ہوں گا، اس لئے ابھی دستار باندھ رہا ہوں، خواجہ صاحب کے نام تجویز کرنے کی برکت اور حضرت تھانویؒ مجدد زمانہ کی دستارِ فضیلت کی برکت سے یہ بچہ اس دور کا بہترین محدث علم وعمل اور اخلاص وللّٰہیت کا پیکر، اعلیٰ اخلاق کا نمونہ، اکابرین امت کا منظور نظر و کہنہ مشق شاعر بھی تھا۔

تعلیم و تعلم

چار سال کے ہوئے تو خانقاہ تھانہ بھون میں خلیفہ اعجاز صاحب کی درس گاہ میں ناظرہ قرآن کریم مکمل کر کے حافظ نہال احمد کے پاس پندرہ پارے حفظ کئے، تقسیم ملک کے بعد آپ اپنے خاندان کے ہمراہ بشمول پیرانی صاحبہ، محدث کبیر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، ناظم خانقاہ مولانا شبیر علی تھانویؒ، والد گرامی حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ پاکستانی حکومت کی دعوت پر خصوصی طیارہ کے ذریعہ لاہور منتقل ہو گئے۔ واضح رہے کہ حضرت تھانوی اور ان کے خلفاء عظام شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ ظفر احمد تھانویؒ اور دیگر اکابرین کی برکت سے مملکتِ خداداد کا وجود ہوا، ورنہ اس کا تصور بھی ممکن نہ تھا۔ ۱۳۷۳ھ-۱۹۵۴ء میں حفظ کی تکمیل کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور میں فارسی وعربی میں داخل کئے گئے۔ ۱۳۷۴ھ-۱۹۵۵ء میں آپ کے چچا مولانا محمد احمد تھانویؒ نے سکھر میں مدرسہ اشرفیہ قائم کیا تو آپ اولین طلبہ میں تھے، آپ نے یہاں میزان سے شرح جامی تک کتابیں پڑھیں، ۱۳۷۶ھ-۱۹۵۷ء میں دوبارہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلہ لے کر مختصر المعانی سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل شعبان ۱۳۸۰ھ-۱۹۵۷ء میں ہوئی، بخاری شریف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے اور ترمذی شریف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحبؒ سے، ابوداؤد شریف حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ اور طحاوی شریف حضرت مولانا عبید اللہ صاحبؒ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور سے پڑھی۔

شعبان ۱۳۸۰ھ میں آپ نے محدث کبیر حضرت علامہ ظفر احمد تھانویؒ کو خط لکھا کہ جامعہ اشرفیہ میں تقسیم اسناد کا جلسہ ہو رہا ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ بچپن میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے میرے سر پر دستار باندھی تھی، اب آپ میری دستار بندی فرما دیں۔ حضرت علامہ نے جواب میں فرمایا کہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے اجلاس میں میری حاضری نہیں ہوگی، البتہ مدرسہ اشرفیہ سکھر کے جلسۂ تقسیم اسناد میں حاضر ہوں گا، تم اپنی دستار لے کر آ جاؤ، میں تمہاری دستار بندی کر دوں گا۔ بچپن میں حضرت تھانویؒ نے جب تمہاری دستار بندی کی تھی تو اس وقت میں وہاں موجود تھا۔ لاہور میں آپ کے اساتذہ کے ہاتھوں آپ کی دستار بندی ہوئی اور اگلے روز مدرسہ اشرفیہ سکھر کے جلسہ میں حضرت علامہ ظفر احمد تھانویؒ نے اس واقعہ کو سنا کر آپ کی دستار بندی فرمائی۔

شوال ۱۳۸۱ھ میں مادر علمی جامعہ اشرفیہ لاہور میں تدریس کا آغاز ہوا، از میزان تا مشکوٰۃ شریف کے

اسباق آپ سے متعلق رہے۔ جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ میں اپنے اساتذہ کے ایماء سے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ۱۹۴۸ء میں قائم کردہ ادارہ دارالعلوم الاسلامیہ علامہ اقبال ٹاؤن کا اہتمام آپ کے سپرد ہوا۔ اس وقت یہ ادارہ حفظ و ناظرہ تجوید تک تھا، آپ کی شب و روز کی محنت اور حسن انتظام سے ہر سال درسِ نظامی کے ایک درجہ کا اضافہ ہوکر دورۂ حدیث شریف کے ساتھ قراءت سبعہ عشرہ اور طلبہ کے لئے حافظ قرآن ہونا لازمی قرار دیدیا گیا، عصری تعلیم ہائی اسکول و میٹرک ضروری ہوئی، آپ کا اصلاحی تعلق حضرت تھانویؒ کے خلیفہ خاص عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ سے تھا اور حضرت نے آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا۔ اصلاح و تربیت کا سلسلہ بھی آپ سے جاری رہا، دارالعلوم میں جمعہ بعد نماز عصر اصلاحی مجلس کا اہتمام رہا، اسی طرح ملک کے طول و عرض میں آپ کے خطابات کے ساتھ درس قرآن کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا اور دارالعلوم الاسلامیہ کی ذمہ داری کے ساتھ بخاری شریف کا درس سالہا سال تک دیا جو آڈیو کیسٹ میں محفوظ ہے۔

آپ نے ۱۴۰۷ھ میں ادارہ اشرف التحقیق قائم کیا جہاں حضرت تھانویؒ کے ''احکام القرآن'' کی تفسیر کا مبارک سلسلہ حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ، حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ نے تقریباً دس جلدوں میں مکمل کیا، اس ادارہ کے زیر اہتمام حضرت تھانویؒ کی سیکڑوں کتابوں پر کام ہوکر اہل علم کے یہاں خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ دارالعلوم سے ماہانہ ''الامداد'' رسالہ بھی جاری ہے، جس میں حضرت تھانویؒ کا ایک وعظ ہر مہینے شائع ہوتا ہے۔ اس وقت دو سو سے زائد مواعظ شائع ہو چکے ہیں، آپ کی حیات کے اسّی سال کی زندگی قابل رشک اور دین متین کی خدمت میں گزری اور موت بھی دیارِ رسول میں قابل رشک رہی۔ آپ بہترین شاعر بھی تھے، عارف آپ کا تخلص تھا، آپ بھی پڑھ لیجئے:

یا رب ترے حبیب کے ہم بھی ہیں امتی
دو گز زمیں ہمیں بھی عطا ہو حرم کے پاس
عارف عطا ہو پھر سے مدینہ کی حاضری
لے جائے خاک اپنا مقدر حرم کے پاس

دو مجموعے فیضانِ حرم، ذوقیات شائع ہوکر اہل علم کے طبقے میں مقبول ہیں۔ یہ حقیر سراپا تقصیر جب مملکت خداداد کا سفر کرتا، لاہور میں تین بزرگوں کے یہاں حاضری ضروری تھی، جامع الکمالات مرجع العلماء حضرت سید نفیس شاہ الحسینیؒ، حضرت مفتی مشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی وکیل احمد شیروانی۔ اب یہ تینوں اکابر جوارِ رحمت میں آرام فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنا قرب خاص عطا فرمائے۔ اگرچہ

یہ تہی دامن روسیاہ کچھ حاصل نہ کر سکا۔ایک سال زائد سے بستر علالت پر تھے،دیارِرسول کی سچی محبت وطلب ان کومدینہ پاک لے گئی،دیارِرسول میں عقیدتوں کا نذرانہ پیش کیا،آپ اپنی اہلیہ ونواسہ منیب کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کے لئے حرم پاک گئے،عمرہ سے فارغ ہوکر پھرمدینہ پاک آئے،دیارِنبی میں حاضر ہوکر صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا۔۱۵/شعبان بروز دوشنبہ شب براءت تھی،نواسہ منیب نے صبح کو کہا کہ حضرت حرم چلیں گے؟ فرمایا کہ نقاہت ہے،آپ چلے جایئے۔آپ اورآپ کی اہلیہ تلاوت کلام اللہ شریف میں مشغول ہوگئے،آپ نے اہلیہ سے پوچھا کہ کتنی تلاوت فرمائی؟ خود ہی فرمایا کہ الحمد للہ سولہ پارے ہوئے ہیں، باقی حرم جا کر پڑھیں گے۔اہلیہ سے کہا کہ میں غسل کر کے کپڑے تبدیل کرلوں،خوشبو بھی ساتھ لی اور حمام میں گئے،کافی دیر ہوگئی جب کوئی آواز نہیں آئی تو اہلیہ کو تشویش ہوئی، بڑی مشکل سے دروازہ کھولا گیا، بڑے اطمینان سے ایک طرف سے بیٹھے ہوئے ہیں،منیب بھی آ گئے،حضرت کو اٹھا کر باہر بیڈ پر لٹایا گیا تو زبان پر کلمہ طیبہ جاری تھا،ایمبولینس کو بلایا،اس میں ڈاکٹر بھی تھا،ڈاکٹر نے نبض چیک کی اور پڑھا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ڈاکٹر نے پولیس کو فون کردیا، پولیس آئی اور میت کو ساتھ لے گئی، گھر والے اور منیب بہت پریشان ہوئے مگر اللہ کی قدرت تمام مراحل بعافیت پورے ہوگئے۔اچانک ایک عظیم شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا فون آ گیا۔میں مدینہ پاک میں ہوں،تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں،آج میرا جہاز منسوخ ہوگیا ہے،منیب نے کہا آپ مسجد نبوی میں تشریف لے آئیں،مولانا کی میت کو مسجد نبوی میں لے جایا جارہا ہے۔مسجد نبوی پہنچے تو حضرت مفتی صاحب بھی موجود تھے،وہاں کے خدام دوسرے لوگوں کو غسل دینے نہیں دیتے۔حضرت مفتی صاحب نے خدام سے اجازت لے کر اپنے ہاتھوں سے غسل دیا،عشاء کی نماز کے بعد حرم نبوی کے امام صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے احاطے میں تدفین عمل میں آئی۔اگرچہ آج کل غیر ملکیوں کو جنت البقیع میں دفن کی اجازت نہیں ہوتی مگر حق تعالیٰ نے تمام مراحل سے بخیر وخوبی گزار کر آپ کی یہ تمنا پوری فرمادی۔حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے قبر میں اتارا اور آب دیدہ ہوکر فرمایا کہ میرے لئے بڑی سعادت ہے کہ ایک بڑے محدث کو غسل دے کر تدفین میں شریک رہا ہوں ؏

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را



قسط (۴)

ہندوستان میں

اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی

علامہ سید سلیمان ندویؒ

سنگاپور سے لوٹ کر وہ ملیبار آتا ہے، دیکھتا ہے کہ اس ملک میں چھوٹے بڑے بارہ راجہ حکومت کرتے ہیں، ملک آباد ہے، ہر طرح امن وامان ہے، مسلمانوں کی بڑی عزت ہے، مگر ہندو مسلمانوں کے ساتھ کھاتے نہیں اور نہ اپنے گھروں کے اندر آنے دیتے ہیں، راستہ میں دیکھتے ہیں تو ہٹ جاتے ہیں، مسلمان مسافروں کے لئے ہر جگہ سرائیں ہیں، ہر جگہ مسلمانوں کی آبادیاں ہیں۔(حوالہ سابق)

جس شہر میں سب سے پہلے وہ داخل ہوا، اس کا نام ابی سرور بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ساحل پر بندرگاہ ہے اور یہاں کے مسلمان چودھری کا نام شیخ جمعہ ہے، یہ دولت منداور بڑا مخیرّ ہے، اپنی تمام دولت غریبوں اور محتاجوں پر صرف کرتا ہے، آگے بڑھ کر پاکنور میں وہ داخل ہوتا ہے، کہتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کی ایک جماعت ہے، یہاں کے مسلمان چودھری کا نام حسین سلاط ہے اور یہاں قاضی اور خطیب بھی ہیں اور حسین کی بنوائی ہوئی ایک جامع مسجد بھی ہے اور یہاں کے راجہ کا نام باسدیو ہے، اس کے پاس تیس جنگی جہاز ہیں اور ان کا کپتان مسلمان ہے، اس کے بعد وہ منگر در پہنچتا ہے، یہاں فارس اور یمن کے مسلمان تاجر اس کو ملتے ہیں، یہاں کے راجہ کا نام رام دیو بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس شہر میں چار ہزار مسلمان ہیں، عام رعایا گو ان کے خلاف ہے، مگر راجہ تجارت کی مصلحت سے ان سے صلح کرتا ہے، یہاں کے مسلمان قاضی کا نام بدرالدین کرناٹکی ہے اور وہ یہاں درس بھی دیتا ہے۔

بعد ازیں شہر ہیلی میں داخل ہوتا ہے، یہاں ایک عالی شان جامع مسجد ہے، جس کی وجہ سے یہ شہر ہندوؤں اور مسلمانوں کے نزدیک متبرک ہے، جہاز والے اس کی نذریں مانتے ہیں، خطیب حسین اس کا

متولی ہے اور حسین وزاں یہاں کا چودھری ہے، اس مسجد میں طالب علموں کی ایک جماعت ہے جن کو مسجد کے خزانہ سے وظیفے ملتے ہیں اور اس کے متعلق ایک مطبخ ہے، جس سے مسافروں کو، غریب مسلمانوں کو کھانا ملتا ہے، یہاں مقدشوا (افریقہ) کے ایک درویش سے ملاقات ہوئی، جو ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں، پھر یہاں سے جرپٹن، یا گرپٹن پہنچا، یہاں بغداد کے ایک عالم سے ملاقات ہوئی، ان کا ایک بھائی یہاں بڑا تاجر تھا، یہاں کے راجہ کا نام کویل ہے، یہاں سے فارس، عمان اور یمن کو جہازات جاتے ہیں، یہاں سے وہ پٹن گیا، یہ بھی راجہ کویل ہی کی عمل داری میں ہے، راجہ کویل کے باپ کی بنوائی ہوئی ایک جامع مسجد ہے اور ایک عالی شان تالاب بھی ہے، جس میں مسلمان نہاتے اور وضو کرتے ہیں، یہ تالاب راجہ کویل ہی کے بزرگوں میں سے کسی نے بنوایا ہے اور وہ مسلمان تھا، اس کے اسلام کا ایک عجیب قصہ لوگوں نے سنایا، اس جامع مسجد میں ایک خاص قسم کا درخت ہے، کہتے ہیں کہ ہر موسم خزاں میں اس سے ایک پتہ گرتا ہے، جس پر دست قدرت سے لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوتا ہے، یہ پتہ جب گرتا ہے تو آدھا مسلمان لے لیتے ہیں اور آدھا ہندو راجہ کے خزانے میں جمع ہوتا ہے اور سخت بیماریوں میں اس سے شفا حاصل ہوتی ہے، راجہ مذکور یہ کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور اس پر ایک جامع مسجد اور تالاب بنوا دیا، اس کے بعد راجہ کی اولاد مسلمان نہ ہوئی، اس نے اس درخت کو اکھڑوا دیا، خدا کی قدرت اس کے بعد یہ درخت پہلے سے بھی زیادہ شاندار طریقہ سے آیا اور راجہ فوراً مر گیا۔

یہاں سے یہ پٹن پہنچا، یہ بھی بندرگاہ ہے اور سمندر کے کنارے ایک مسجد ہے، جس میں مسلمان ٹھہرتے ہیں، کیوں کہ یہاں کوئی مسلمان نہیں، یہاں کے باشندے برہمن ہیں، جو ہندوؤں میں عالی مرتبہ ہیں اور وہ مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں اور اسی لئے یہاں مسلمان نہیں ہیں، یہ ایک جامع مسجد بھی جو باقی ہے، وہ اس وجہ سے ہے کہ ایک برہمن نے اس کی چھت خراب کر دی تو اس کے گھر میں آگ لگ گئی، جس میں وہ خود، اس کی اولاد اور گھر کا تمام اثاثہ جل گیا، اس وقت سے ہندو اس مسجد کو متبرک سمجھتے ہیں اور اس کو ڈر سے نہیں چھوتے، اس کے بعد یہاں سے نکل کر پندرینا پہنچا، یہاں مسلمانوں کے تین محلے ہیں اور ہر محلّہ میں ایک مسجد ہے اور ساحل پر جامع مسجد ہے اور عجب پر بہار ہے، یہاں کا قاضی اور خطیب عمان کا ایک آدمی ہے، اس کا بھائی بڑا فاضل ہے۔

اس کے بعد کالی کٹ میں داخل ہوا، یہاں کا راجہ ہندو ہے اور سامری (زیمور) نام ہے، یہ دنیا کے بڑے بندرگاہوں میں سے ہے۔ چین، جاوا، سیلو، مالدیپ، یمن اور فارس کے جہاز آتے ہیں، یہاں کا ملک

التجار ابراہیم شاہ بندر ہے، یہ بحرین کا باشندہ ہے، قاضی کا نام فخر الدین ہے اور یہاں کی خانقاہ کے سجادہ نشین شیخ شہاب الدین گازرونی ہیں، جن کی فتوحات کی کوئی حد نہیں۔ (یہ تمام اقتباسات ابن بطوطہ، ج ٢ ص: ١٣٤، ١٤٠ میں ہیں)

کالی کٹ سے کولم جانا ہوتا ہے، یہاں مسلمان تاجروں کی بڑی جماعت ملتی ہے، علماء بھی ہیں اور مسلمانوں کا رئیس محمد شاہ بندر ہے، ایک تاجر کی بنوائی ہوئی ایک جامع مسجد بھی ہے اور یہاں مسلمان معزز اور محترم ہیں، یہاں کے راجہ کا نام بتروری ہے، یہ مسلمانوں کی بڑی عزت کرتا ہے اور ان کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آ رہا ہے۔ (حوالہ سابق، ص: ١٤٣)

سیلون (سرندیپ) اور مالدیپ کو ہم بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں، اب ان پر چند صدیاں گذر چکی ہیں، ہمارا سیاح اب مالدیپ پہنچتا ہے، دیکھتا ہے کہ ان جزیروں میں صرف مسلمان ہی مسلمان ہیں اور وہ نہایت نیک اور پابند مذہب اور باایمان ہیں، یہاں ایک عورت سلطانہ خدیجہ بنت صلاح صالح بنگالی حکمراں ہے، یہاں کے لوگوں کے مسلمان ہوجانے کا وقعہ ہے کہ پہلے یہ سب کافر تھے، یہاں ہر سال سمندر سے ایک عجیب بلا آتی تھی، اس کا رویہ تھا کہ ایک کنواری لڑکی بلدان دی جاتی تھی، ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا، لڑکیوں پر قرعہ پڑا، ایک بڑھیا کی لڑکی کا نام نکلا، بڑھیا سخت بے قرار ہوئی، اتفاق سے اس بڑھیا کے یہاں بربر کا ایک مسلمان ٹھہرا تھا، وہ حافظ قرآن تھا، مسلمان نے کہا گھبراؤ نہیں، میں اس کی تدبیر کرتا ہوں، اس رات کو وہ مسلمان عورت بن کر بت خانہ میں گیا، لوگ صبح کو گئے کہ اس کی لاش اٹھالائیں، دیکھا کہ وہ زندہ تلاوت قرآن کر رہا ہے، یہ کرامت دیکھ کر لوگ سخت متحیر ہوئے، بادشاہ کو خبر ہوئی وہ بھی آیا، سب نے اسلام قبول کرلیا اور اس نے وہاں رہ کر سب کو اسلام کے آداب واحکام کی مالکی مذہب کے مطابق تعلیم دی، یہاں کی جامع مسجد پر اب تک یہ عبارت لکڑی میں منقوش ہے کہ ''سلطان احمد شنوازہ، ابوالبرکات بربری مغربی کے ہاتھ پر اسلام لائے۔'' (سفرنامہ ابن بطوطہ، ج ٢ ص: ١٥٢)

یہ قصہ صحیح ہو یا نہ ہو مگر یہ واقعہ ہے کہ جزیرہ مالدیپ آج بھی مسلمانوں سے آباد ہے اور ایک مسلمان سلطان زیر حفاظت برطانیہ حکمراں ہے، ١٩٠١ء کی مردم شماری میں یہاں مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار تھی، یہاں کے مسلمانوں میں عربی النسل بکثرت ہیں اور بدھ مت کے نومسلموں کی بھی تعداد کثیر ہے، جو ملک کے اصلی باشندے ہیں، اسی کے قریب سرندیپ جس کو سیلون اور لنکا بھی کہتے ہیں، واقع ہے، یہاں بھی اسلام نے اپنا پورا دخل پیدا کرلیا، ١٩٠١ء کی مردم شماری میں یہاں دولاکھ مسلمان تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں سلون اور مالدیپ کا مضمون)

یہاں اسلام ابھی اپنی پر رفتار ترقی سے چل رہا تھا کہ زمانہ نے تاریخ کا ورق الٹ دیا اور مسلمانوں کا زوال اور مسیحی یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا، پندرہویں صدی عیسوی میں پرتگیزوں نے اور پھر ڈچوں نے آکر

اسلام کا بیڑا غرق کر دیا اور اس قوت سے ان جزائر میں اور جنوبی ہند میں اسلام کی جگہ عیسائیت نے لے لی اور وہ منظر آج بھی آپ کے سامنے ہے۔

صفحات بالا میں ہندوستان میں اسلام کے داخلہ کے تین راستوں میں سے ایک راستہ کا نقشہ دکھایا گیا ہے اور صدی بصدی اس کی ترقی کی تصویر کھینچ دی گئی ہے، دیکھ لو کہ اس تصویر میں خون کی سرخی کہیں نہیں جھلکتی بلکہ اسلام اپنی سادگی، مساوات اور حقانیت سے اپنا راستہ خود صاف کرتا گیا ہے اور نیچ ذات اور معمولی لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرتا ہوا بادشاہوں اور راجاؤں کے قلوب پر قابض ہو گیا، ان عرب تاجروں اور درویشوں کے ہاتھوں میں محمود اور عالمگیر کی تلوار نہ تھی، ان کے ذریعہ جو اشاعت اسلام ان اطراف میں ہوئی اس کے طریقے حسب ذیل تھے:

(۱) عرب تاجروں نے خود آ کر اپنی نو آبادیاں قائم کیں، یہاں کی نومسلم عورتوں سے انہوں نے شادیاں کیں۔

(۲) نیچ ذات کے ہنود اور نابرہمن جو برہمنوں کے دباؤ، ظلم اور ترفع اور غرور سے نالاں تھے انہوں نے اسلام میں آ کر عزت پائی۔

(۳) تاجروں کی فیاضی اور انسانیت نوازی نے غریبوں اور محتاجوں کو اپنے دامن میں پناہ دی۔

(۴) جو لوگ ذرا ذرا سی باتوں پر اپنی ذات سے خارج کر دیئے جاتے تھے، وہ اسلام کی برادری میں داخل ہوتے گئے۔

(۵) بہت سے لوگ اپنے بچوں کی غربت کے مارے عربوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے، وہ ان کو لے کر اسلام کی تربیت دے کر اپنی اولاد کی طرح پال کر جوان کرتے تھے۔

(۶) اسلام کی روحانی طاقت کی عجیب وغریب نشانیاں ان کی نگاہوں سے گذریں، جس نے ان کو اسلام کے قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

(۷) علماء اور درویشوں نے اپنی روحانی کشش کے جلوے دکھائے۔

ہندوستان میں اسلام کے داخلہ کا دوسرا راستہ سندھ ہے، پہلی صدی ہجری یا ساتویں صدی عیسوی میں شمالی ہندوستان پر تین سلطنتیں محیط تھیں، سندھ جس کی ایک حد سمندر تھی، اور دوسری حد بلوچستان اور تیسری پنجاب کے اندر ملتان کے بعد تک اور چوتھی موجودہ صوبہ متحدہ کے کناروں تک، ملتان کے کچھ بعد پنجاب کا جو علاقہ رہ جاتا تھا، اس کا نام عربوں کی اصطلاح میں چھوٹا کشمیر تھا اور اس کے بعد موجودہ بڑا کشمیر تھا اور ادھر

موجودہ صوبہ متحدہ میں قنوج (اودھ) کی سلطنت شروع ہوجاتی تھی، غرض اس حد بندی سے یہ واضح کرنا ہے کہ سندھ کا علاقہ اس زمانہ میں موجودہ سندھ سے بہت وسیع تھا، عرب جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں نے اپنے زمانہ کے سندھ کی حد بندی یہ کی ہے کہ اس کے ایک طرف سمندر، دوسری طرف بلوچستان، تیسری طرف کشمیر اور چوتھی طرف قنوج کی حکومت ہے۔

اس قطعہ زمین میں جو قومیں آباد تھیں ان کے نام حسب ذیل تھے:

(١) مید: یہ قوم دریائے سندھ جس کو عرب نہر مہران کہتے تھے اس کنارہ پر آباد تھی، اس قوم کا نشان سندھ میں اب تک ہے۔

(٢) جاٹ: جس کو عرب زط کہتے تھے، یہ دریا کے اس کنارہ پر بستے تھے، یہ دونوں قومیں آپس میں ہمیشہ دست وگریباں رہتی تھیں۔

(٣) ٹھاکر: جن کو عرب اپنے لفظ میں تاکر اور جمع کی صورت تکارہ بولتے تھے، یہ راجپوت تھے اور سلطنت کے امراء اور فوج کے سپہ سالاروں میں ان کا شمار تھا۔

ان کے علاوہ برہمن تھے، بھاٹیہ اور سومری وایرسی اور سودھا قومیں آباد تھیں۔

ہم اس حقیقت کا اوپر کی سطروں میں اظہار کرچکے ہیں کہ جس وقت مسلمان ہندوستان میں آنے لگے ہیں اس ملک کا تنہا مذہب ویدک دھرم یا برہمنی نہ تھا بلکہ زیادہ تر بودھ مت تھا، اس لئے آج کل کے آریہ سماجی دوستوں کا شور وغل اور ہنگامہ وفریاد اور اپیل، واقف کار اور اہل علم اصحاب کی نظروں میں مضحکہ انگیز ہے۔ اس سلسلہ میں ہم اس سے بھی زیادہ ایک دلچسپ نظریہ کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، بودھ مت کے خلاف سب سے زیادہ پرجوش جہاد جس نے کیا وہ نویں صدی عیسوی (تیسری صدی ہجری) کے شنکرا چاریہ جی ہیں، لیکن تم بتا سکتے ہو کہ بودھ مت کی بت پرستی کے خلاف اس ہندی مجدد میں یہ جوش وولولہ کہاں سے آیا، شنکرا چاریہ جی جنوبی دکن میں پیدا ہوئے، ملیبار میں نشو ونما پائی اور یہ وہ مقامات تھے جہاں اسلام کے نعرۂ توحید سے گونج رہے تھے اور جہاں بت پرستی کے خلاف مسلمان واعظین کی آوازیں بلند ہورہی تھیں، اس بنا پر جس طرح شمالی ہندوستان میں کبیر داس اور گرونانک وغیرہ پہلے اور دیانند جی بعد کو پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کی توحید سے بت شکنی کا سبق سیکھا، ٹھیک اسی طرح تیسری صدی ہجری کے عرب تجار اور واعظین سے جو اس علاقہ میں اس وقت پھیلے ہوئے تھے، شنکرا چاریہ جی نے بت شکنی کا فیض حاصل کیا۔ (جاری)



موب لنچنگ کا سلسلہ ابھی جاری ہے

مولانا آفتاب اظہر صدیقی انوری
امام وخطیب مسجد حضرت شاہ ولایتؒ منگلور، اتراکھنڈ

''ایک جیسی سوچ رکھنے والی بھیڑ کے ذریعے کسی بے قصور پر ہونے والے ظلم اور مار پیٹ کو ماب لنچنگ کہا جاتا ہے'' ہندوستان کا ماحول پہلے کبھی ایسا نہیں تھا کہ چند افراد مل کر کسی بے قصور پر صرف تعصب کی بنا پر حملہ آور ہوجائیں، لیکن جوں جوں بھگوادھاریوں کے حوصلے بلند ہوئے اور شیوسینا، بجرنگ دل وآر ایس ایس کی فرقہ پرست تبلیغ نے لاکھوں غیر مسلم نوجوانوں کے سوچنے کا انداز بدلا تبھی سے بے قصوروں کو سرراہ مارا پیٹا جانے لگا، بی جے پی حکومت کے آنے کے بعد تو جیسے ان شرپسندوں کو ماب لنچنگ کی کھلی اجازت مل گئی ہو، آئے دن کوئی نہ کوئی حادثہ، کوئی ویڈیو، کوئی فوٹو، کوئی تحریر نظروں کے سامنے آہی جاتی ہے۔

ویڈیوز میں ایسا تشدّدانہ ظلم دیکھنے کو ملتا ہے کہ غصے کی انتہا نہیں رہتی۔ یہ دوچار دن یا سال دوسال کی لگائی ہوئی آگ کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ آزادی ہند کے بعد سے ہی نفرت کی اس چنگاری کو سوکھی لکڑیاں دینے والے فرقہ پرستوں کا ایک گروہ مل چکا تھا، رفتہ رفتہ یہ آگ ملک کے ہر خطے میں پھیل گئی۔ ہندوتوا ذہنیت کے فرقہ پرست لوگوں نے ملک کے مختلف حصوں میں اپنے تعلیمی ادارے قائم کیے، سرکاری تعاون حاصل کیا، خاص مسلم مخالف ذہنیت کے سکھائے ہوئے اساتذہ رکھے گئے جنہوں نے ہزاروں لاکھوں خالی الذہن نوجوانوں کے ذہن میں مسلم مخالفت کا زہر بھر دیا اور آج وہی زہر نکل کر باہر آرہا ہے۔ نفرت کا یہ سبق صرف تعلیمی اداروں تک محدود نہیں رہا، بلکہ چھوٹی چھوٹی تنظیموں، گروپوں اور بڑے بڑے آشرموں میں باضابطہ اس بات پر چرچا ہوتا ہے کہ دیش کو کس طرح مسلم مکت (خالی از مسلمان) ملک یا ہندوراشٹر بنایا جائے۔ یہ ماب لنچنگ کا سلسلہ ابھی رکنے یا تھمنے والا نہیں ہے، کم ازکم جب تک مودی حکومت کی کرسی سلامت ہے تب تک تو بالکل نہیں، پولیس اور فوج کا ایک بڑا طبقہ بھی اسی منفی ذہنیت کا شکار ہے۔ جب جگہ جگہ لوگوں کی ایک بھیڑ مل کر کسی نہتے بے قصور پر ٹوٹ پڑے اور آس پاس والے تماشا دیکھنے کے عادی

ہوں، پولیس ظالموں کی حمایت میں ہو، تھانوں میں مقدمات نہ درج نہ کیے جارہے ہوں یا درج ہونے کے بعد کارروائی نہ کی جارہی ہو تو ایسے میں ماب لنچنگ کا یہ سلسلہ کیسے ٹوٹ سکتا ہے؟

محمد اخلاق، پہلو خان، حافظ جنید، افراز الاسلام، سراج، احمد، عمر، حافظ شیخ نعمان، ظفر، قاسم، زاہد، علیم الدین اور اکبر خان کو صرف مسلمان ہونے کی بنا پر سنگھی دہشت گردوں نے تختہ ءستم بنا کر شہید کر دیا۔ ان کے علاوہ سیکڑوں ایسے افراد مظلومیت کا شکار بنے جن کا وقت اچھا تھا اور وہ موت کے منھ سے واپس ہو گئے۔ یہ تو صرف مسلمان کی بات ہوئی جو سنگھیوں کے نشانے پر سب سے اگلی صف میں کھڑا ہے۔ لیکن یہ سمجھنا کہ بھگوا دھاری دہشت گردوں کے نشانے پر صرف مسلمان ہیں غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہندو راشٹر بنانے کی سوچ رکھنے والے مٹھی بھر لوگ ہر سیکولر اور جمہوریت پسند ہندوستانی کے خلاف ہیں، جو سیکولر طبقہ خاموش ہے وہ محفوظ ہے اور جو آئین ہند اور آزادی کے حقوق کی آواز اٹھاتا ہے وہی ان اہل شر کا دشمن بن جاتا ہے۔ یہی بات ہر برادر وطن اور سیکولر بھائی کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ سنگھی دہشت گرد صرف مسلمانوں کے خلاف نہیں ہیں، بلکہ وہ ہر اس آدمی کے خلاف ہیں جو ملک کے لیے خیر خواہ ہو اور سنگھیوں کے نظریے کی تردید کرتا ہو، جو سیکولر ہو اور ہندوتوا کی مخالفت کرتا ہو، جو شریف ہو اور تشدد کی مذمت کرتا ہو، پھر چاہے وہ براہمن ہی کیوں نہ ہو، پنڈت ہی کیوں نہ ہو، سوامی ہی کیوں نہ ہو۔ سوامی اگنی ویش بھی ایک صاف ستھرے باضمیر انسان ہیں، وہ ہمیشہ سیکولر گفتگو کرتے ہیں، امن وشانتی کی بات کرتے ہیں، نفرت و تشدد کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں، بس یہی باتیں سنگھی دہشت گردوں کو پسند نہیں آتی۔ چنانچہ چند روز قبل سوامی اگنی ویش کو جھارکھنڈ کے پاکوڑ ضلع میں بی جے پی یوتھ فرنٹ اور اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد (اے بی وی پی) کے مشتعل افراد نے گھیر کر تشدد کا نشانہ بنایا، دھکا مکی کے بعد سوامی اگنی ویش کو نیچے گرا کر ان کے کپڑے پھاڑ دیے۔

آخر یہ بدسلوکی، بدتمیزی، بدعنوانی، غنڈہ گردی کب تک چلے گی؟ کب ان سنگھی دہشت گردوں کی گردنوں پر قانون کا شکنجہ کسا جائے گا؟ ماب لنچنگ کے روزمرہ کے واقعات پر حکمرانوں کی خاموشی یا صرف زبانی جمع خرچ سے مجرموں کا کچھ نہیں بگڑے گا، ملک کے امن کی سالمیت کے لیے سخت اقدامات کرنے ہوں گے۔ لیکن کرے گا کون؟ پولیس اہلکار خود حکومت کے دباو میں ہیں، بہت سے تو سنگھی مزاج کے حامل ہیں، کارروائی ہو تو کیسے ہو، مجرم پکڑے جاتے ہیں اور دوسرے دن چھوڑ دیے جاتے ہیں، سنگھ دہشت گرد عدالت کے سخت احکامات سے بھی لاپرواہ ہیں، کیوں کہ انہیں خبر ہے کہ جب تک ان کی پشت پناہی کرنے

والے کسی سیاسی لیڈر کا سایہ ان کے سروں پر ہے کوئی ان کا بال بیکا نہیں کرسکتا۔

آخر یہ قتل وغارت کا کھیل کب تک چلے گا؟ ظلم وتشدد کا یہ طوفان کب تھمے گا؟ یہ آنسوؤں کا سیلاب کس دن رکے گا؟ کیا ظالموں کے نزدیک انسان کی اہمیت جانور سے کمتر ہوچکی ہے، کیا انہیں انسان کے درد وکرب کا احساس نہیں رہا؟ کیا وہ تعصب اور مسلم دشمنی کے نشے میں اتنے مدہوش ہو چکے ہیں کہ بے قصوروں کو سر عام کچلنے لگ گئے، ابھی اسی الور کے پہلو خان کے قتل کیے جانے کا زخم بھرا نہیں تھا کہ اکبر خان نامی ایک اور صاحب اہل وعیال شخص کو ظالموں نے پیٹ پیٹ کر مار ڈالا۔ اکبر خان اپنے ہم پیشہ اسلم خان کے ساتھ گایوں کو لے جارہا تھا کہ راستے میں نام نہاد گورکشکوں نے ان پر حملہ کردیا، اسلم خان بھاگنے میں کامیاب رہا، لیکن اکبر خان کی ظالموں نے پیٹ پیٹ کر جان لے لی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اہل کرسی ودستار کو دہشت گردی کے یہ واقعات نظر کیوں نہیں آتے اور آتے ہیں تو انہیں روکنے کے لیے ٹھوس اقدامات کیوں نہیں کیے جاتے۔ بس چند گورکشکوں کو پھانسی دے دی جائے تو سب کی عقل ٹھکانے لگ جائے گی۔ عدالت عظمیٰ کی سخت ہدایت کے باوجود رونما ہونے والی یہ دہشت گردیاں ملک کے بگڑتے حالات کی تصویر ہے۔ ان گورکشکوں کی دہشت گردیوں پر کوئی نیوز چینل کیوں ڈیبیٹ نہیں کرتا، گورکشکوں کے ناموں کے ساتھ دیش دروہی کا لیبل کیوں نہیں لگا دیا جاتا، آخر کب تک انہیں چھوٹ ملتی رہے گی؟ بھیڑ کے ذریعے قتل کا یہ سلسلہ دراز ہوا تو ملک میں فساد کے واقعات کثرت سے رونما ہونے لگیں گے اس سے پہلے کہ حالات بے قابو ہوں ان گائے رکشکوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ کسی بھی ملک کی سب سے بڑی طاقت عدالت ہوتی ہے، جب عدالت عظمیٰ کی ہدایت بھی بے اثر ثابت ہورہی ہے تو اور کس کی ہدایت پر حالات سازگار ہوں گے۔

تادم تحریر گجرات سے ایک اور ماب لنچنگ کی خبر موصول ہورہی ہے۔ ۲۹؍جولائی کی رپورٹ کے مطابق گاؤں کالی موہاڑی داہود گجرات میں دو افراد پر بیس لوگوں نے اجتماعی حملہ کردیا جن میں اجمل نامی شخص نے موقع پر ہی دم توڑ دیا۔

کسی بھی تنظیم یا طبقے کو گائے سے کوئی عقیدت نہیں ہے، بات صرف مسلمانوں کو پریشان کرنے اور سر راہ پیٹ پیٹ کر اپنے مشن کو جاری رکھنے کی ہے، یہ تمام گورکشک آر ایس ایس اور شیو سینا کے پالتو غنڈے ہیں، انہیں اپنے مذہب کا کچھ علم نہیں، یہ شراب کے عادی، مندروں سے دور رہنے والے نکمے افراد ہیں جو صرف پیسوں کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوجاتے ہیں؛ یہ الگ بات کہ بہت سے بھولے بھالے عام ہندو

بھی ان کی مذہب آمیز پرفریب باتیں سن کران کے ظالمانہ مشن میں شریک ہوجاتے ہیں۔

معروف خاتون صحافی برکھادت "دی واشنگٹن پوسٹ "میں اپنے ایک انگریزی مضمون میں رقمطراز ہیں کہ ''اس بات پر کیوں غور نہیں کیا جاتا کہ تمام ہندوستانی مسلمان بیف نہیں کھاتے، بھارت میں گائے خوری کا خاکہ علاقائی اور تہذیبی خطوں پر دیکھا جاسکتا ہے، چند سروے کے مطابق ایک کروڑ پچیس لاکھ ہندو ان اسّی فیصد ہندوستانیوں میں شامل ہیں جو بیف یا بھینس کا گوشت کھاتے ہیں، بی جے پی کی خودغرضی اسی سے ظاہر ہوجاتی ہے کہ وہ نارتھ ایسٹ یا گوواجیسی ریاستوں میں جہاں کے اکثر رہنے والے بھونے ہوئے گوشت کی بوٹیاں مزے لے لے کرکھاتے ہیں بیف کی مخالفت نہیں کرتی۔ کیا ایک گائے کی زندگی ایک بھارتی مسلمان سے زیادہ قیمتی ہے؟''

میں نے سوشل میڈیا پر ہندی کی ایک تحریر دیکھی جس میں لکھا تھا کہ بات اگر گائے کو ماں ماننے پر یقین یا اس سے عقیدت کی ہوتی تو چوہے مارنے والی دوا پر روک ہوتی آخروہ گنیش جی کی سواری ہے۔ اگر بات عقیدت ویقین کی ہوتی تو کل ہندوستان میں خنزیر کی بھی گائے کی طرح پوجا کی جاتی، کیوں کہ وہ وشنو جی کا اوتار ہے۔ بات اگر مذہبی عقیدت کی ہوتی تو ہزاروں بندر بے وجہ نہ مرتے کیوں کہ وہ ہنومان جی کے اوتار ہیں۔ بات صرف دیش میں نفرت پھیلاکر، غنڈہ گردی کے ذریعے سیاست کرنے کی ہے۔

گذشتہ برس ریسرچ گروپ "انڈیا اسپینڈ "کے ایک تجزیے میں بتایا گیا تھا کہ ہندوستان میں گائے سے متعلق تشدد کے ستانوے فیصد واقعات ۲۰۱۰ء سے ۲۰۱۷ء کے درمیان رونما ہوئے ہیں۔ اور میرا اندازہ یہ ہے کہ ۲۰۱۸ء کے ان سات آٹھ مہینوں میں ہجومی مار پیٹ اور قتل کے واقعات میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ آخر ۲۰۱۴ء میں مودی حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد ہی فساد وخون کے ان واقعات میں کیوں اضافہ ہوا؟ ہجومی دہشت گردیوں میں نصف سے زائد معاملات ان صوبوں کے ہیں جہاں بی جے پی کی حکومت ہے۔ اسی کے ساتھ بی جے پی لیڈران مجرموں کو سزا دینے کی بات تو کیا کرتے ان کی کھلی حمایت کرتے نظر آتے ہیں، ایسے میں ماب لنچنگ کے واقعات کو انجام دینے والے غنڈے بے خوف ہیں اور اقلیتیں خوف زدہ۔ اس خوف اور بے خوفی کے درمیان ہمارا ملک ہندوستان پس رہا ہے۔



جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی
استاذ حدیث و نائب ناظم تعلیمات جامعہ ہٰذا

امتحانِ داخلہ کے تمام مراحل کی تکمیل

نئے تعلیمی سال کی آمد اور جدید داخلے کے پیشِ نظر جامعہ حسبِ ۶ رشوال المکرّم کو ہی کھل گیا۔ نئے داخلے کی کارروائیاں اول روز سے ہی شروع ہوگئیں۔ درجۂ ناظرہ، درجۂ حفظ اور عربی درجات میں داخلے کے خواہش مندوں کا ایک ہجوم امنڈ پڑا۔ جامعہ میں ۲۰۰۸ء سے ہی جماعتِ مشکوٰۃ اور دورۂ حدیث شریف قائم ہے، جب کہ درجۂ اعدادیہ اور درجۂ ناظرہ پچھلے سال ہی شروع ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ تکمیلِ افتاء اور تکمیلِ ادب کے درجات بھی کئی برسوں سے اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں۔ ان تمام ہی درجات میں داخلے کے آرزومند طلبہ نے تحریری اور تقریری امتحانات میں حصہ لیا۔ مناسب جانچ اور معیاری پرچہ بینی کے بعد قابلِ قدر اوسط حاصل کرنے والے طالبانِ علوم نبوت کو داخلہ دیا گیا۔ عربی اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم (موقوف علیہ) اور دورۂ حدیث میں بڑی تعداد کا داخلہ ہوا، جب کہ تکمیلات میں طے شدہ نشستوں کے مطابق مشتاقانِ علوم کو داخلہ دیا گیا۔ صدفی صد طلبہ کو امداد و طعام دی گئی، داخلے کی کارروائیاں مکمل ہونے کے ساتھ ہی مطبخ جاری ہو گیا۔ سالہائے گذشتہ کے مقابلے میں امسال کثیر تعداد کو داخلہ دیا گیا۔

اساتذۂ جامعہ کی مشاورتی نشست

دریں اثناء جامعہ کے تعلیمی و تربیتی نظام کی مزید بہتری کے لئے اساتذۂ جامعہ کی مشاورتی نشست منعقد ہوئی جس میں جملہ اساتذۂ کرام نے حصہ لیا۔ نشست میں متعدد امور پر تبادلۂ خیال کیا گیا۔ بالخصوص تعلیمی و تربیتی نظام موضوعِ مجلس رہا۔ جامعہ میں گذشتہ کئی برسوں سے روزانہ اسباق کے حساب سے ہر

کتاب کی ماہانہ مقدار خواندگی مقرر ہے جس کی پابندی سارے ہی اساتذہ کرتے ہیں۔نشست میں اسباق کی کمیتی رفتار کے ساتھ کیفیاتی رفتار کو بھی ملحوظ رکھنے پر زور دیا گیا۔تعلیمی امور کے ساتھ تربیتی امور پر بھی مفید مشورے سامنے آئے،جنہیں عملی جامہ پہنانے کی ہر ایک نے ہامی بھری۔

تعلیم کا آغاز

۱۸رشوال المکرّم تک قدیم طلبہ کی حاضری ضروری تھی،سارے ہی قدیم طلبہ نے وقتِ مقررہ پر آکر اپنے دفتری مراحل طے کئے۔قدیم وجدید طلبہ کے داخلے کی کارروائیاں پوری ہونے کے بعد ۲۶رشوال المکرّم سے تعلیم کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا۔اسباق کی ماہانہ تقسیم سے بھی اساتذہ کو مطلع کر دیا گیا۔جامعہ گذشتہ کئی برسوں سے تکمیلِ نصاب کے لئے ماہانہ تقسیمِ اسباق کے تجربے کر رہا ہے جو بحمداللہ پوری طرح کامیاب ہیں۔تعلیم کے آغاز کے ساتھ ہی اساتذہ کی توجہات اور طلبہ کی محنتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔جامعہ طلبہ کی حاضری پر بڑی توجہ دیتا ہے اور بلاعذر غیر حاضری کو کسی طرح بھی قبول نہیں کرتا،جس کا نتیجہ یہ ہے کہ درس گاہیں طلبہ سے معمور رہتی ہیں۔حضرات اساتذہ کی نگاہِ عنایت ہمیشہ کی طرح قابل رشک ہے۔

دارالاقامہ کے اصول

طلبہ کی صد فیصد حاضری کا تعلق یوں تو تمام ہی درجات اور تکمیلات سے ہے،مگر عربی سوم تک کے طلبہ کی انتہائی کڑی نگہداشت کی جاتی ہے،کیوں کہ عربی سوم تک کی جماعتیں طلبہ کی استعداد سازی میں انتہائی موثر ہیں۔چنانچہ ان کی تعلیم پر سخت نظر رکھنے کے لئے عربی سوم تک کے طلبہ کا جامعہ کے دارالاقامہ میں قیام ناگزیر ہے۔اس کلیے کا اطلاق درجۂ حفظ،درجۂ ناظرہ اور درجۂ اعدادیہ پر بھی ہوتا ہے۔عربی چہارم سے لے کر دورۂ حدیث شریف،اسی طرح تکمیلات کے طلبہ پر اندرونِ دارالاقامہ قیام لازم نہیں ہے۔ناظم دارالاقامہ محترم جناب مولانا ابوطلحہ صاحب اعظمی صاحب استاذ حدیث جامعہ انتہائی چابک دستی اور تیقظ سے اپنا فرضِ منصبی ادا کر رہے ہیں۔

بعد مغرب کا تکرار و مطالعہ

مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت مطالعہ اور تکرار کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔اس وقت

اسباق تیزی سے یاد ہوتے اور دماغ میں جگہ بناتے ہیں، اسی لئے جامعہ میں اس جانب بھی شدید توجہ ہے۔طلبہ کے تکرار ومطالعہ اور کتب گردانی کے لئے باقاعدہ نگراں تعینات ہیں۔ درجۂ اعدادیہ سمیت عربی اول تا عربی سوم کی جماعتیں مسجد انور شاہ میں تکرار ومطالعہ کرتی ہیں جن کی نگرانی محترم جناب مفتی نثار خالد قاسمی استاذ حدیث وافتاء کرتے ہیں جب کہ بقیہ جماعتوں اور تکمیلات کا یہ وظیفہ ان کی اپنی اپنی درس گاہ میں پورا ہوتا ہے، جن کی نگرانی محترم جناب مولانا ابوطلحہ اعظمی صاحب سے متعلق ہے۔

دارالحدیث کی منتقلی

امسال الحمد للہ ہر سال سے زیادہ طلبہ کو داخلہ دیا گیا، جس کی بنا پر درس گاہوں کا تبادلہ ناگزیر تھا۔ چناں چہ انور ہال بلڈنگ کے تحتانی حصے میں دورۂ حدیث منتقل کردیا گیا۔اصل دارالحدیث پہلے سے بھی یہی تھا مگر تعمیرات کے اختتامی مراحل کی وجہ سے دورۂ حدیث کے اسباق عمارت کے بالائی حصے میں پڑھائے جارہے تھے۔اب جب کہ تعمیری مراحل پوری طرح پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں دورۂ حدیث کے اسباق تحتانی حصے میں منتقل کردیئے گئے ہیں، عمارت کے اس حصے کو دارالحدیث تحتانی نامزد کیا گیا ہے۔ دارالحدیث فوقانی میں اب موقوف علیہ (جماعت مشکوٰۃ) کے اسباق ہورہے ہیں۔موقوف علیہ کے اسباق سابقہ برسوں میں عمارت کے ذیلی کمرے میں پڑھائے جارہے تھے۔

درجۂ ناظرہ، درجۂ حفظ، عربی درجات اور تکمیلات کی درس گاہیں انور ہال بلڈنگ میں ہی ہیں۔ یہ بلڈنگ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے اسم گرامی سے منسوب ہے۔

سالِ رواں کی پہلی تربیتی نشست

طلبہ کی تعلیمی وتعمیری بہتری اور ان کی فلاح وبہبود کے لئے جامعہ میں موقع بہ موقع تربیتی نشستیں بھی منعقد ہوتی ہیں، جن سے اساتذۂ کرام خطاب کرتے ہیں۔ان نشستوں کے بہترین نتائج سامنے آئے ہیں اور طلبہ کی کارکردگی اور احساسِ ذمہ داری میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ سالِ رواں کی پہلی تربیتی نشست ۱۶/ذیقعدہ کو منعقد ہوئی، جس میں تمام ہی جماعتوں کے طلبہ نے شرکت کی۔ نشست سے خطابت کرتے ہوئے احقر فضیل احمد ناصری نے متعدد اہم موضوعات پر مختصر روشنی ڈالی۔احقر نے کہا کہ جامعہ آپ کی تعلیمی ترقی اور تربیت وتزکیہ کا ہمیشہ کی طرح پابند عہد ہے اور آپ کی شخصیت سازی کے لئے ہر تدبیر اپنا رہا ہے۔

آپ جامعہ کے اصول وضوابط پر کاربند ہوکر اپنا تعلیمی سفر رواں دواں رکھیں، انشاءاللہ آپ خود میں خوشگوار تبدیلیاں پائیں گے۔ احقر نے درسگاہوں میں حاضری پر بھرپور زور دیا اور کہا کہ طلبہ کی تعمیرِ شخصیت میں درس گاہوں کی حاضری اور بعدِ مغرب کے تکرار ومطالعہ کو بڑا دخل ہے۔ بلا ناغہ حاضری کثیر فوائد پر مشتمل ہے، جن میں نمایاں ترین فائدہ انوار و برکات سے استفادہ ہے۔ ناغے سے تسلسل ٹوٹتا اور طبیعت میں بیزاری آتی ہے۔ مسلسل حاضری کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ کان پڑی آواز خوش کن نتائج پر مشتمل ہوتی ہے۔ خدانخواستہ طبیعت کی اکتاہٹ کی وجہ سے درس گاہ میں رہتے ہوئے بھی آپ کی توجہ اگر استاذ کی طرف نہ ہو اور اسباق سے بے توجہی ہورہی ہو تو بھی استاذ کی آواز اپنا اثر چھوڑے بغیر نہیں رہتی، اسی لئے جامعہ کا دفتر تعلیمات ادنیٰ سی غیر حاضری کو بھی برداشت نہیں کرتا۔ اعذار وعلل کی بنا پر رخصت لینا کارِ دیگر ہے۔ احقر نے پابندیٔ نماز پر بھی خصوصی زور دیا اور کہا کہ جامعہ کے طلبہ مسجد انور شاہ میں ہی نماز ادا کریں، اگر کسی وجہ سے یہاں نماز کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو نگراں نماز محترم جناب مولانا ابوطلحہ اعظمی صاحب زیدمجدہم سے اجازت لے لیں۔ غیر تعلیمی اور غیر درسی اوقات میں دارالاقامہ میں ہی رہائش رکھیں۔ احقر ہی کی دعاء پر نشست کا اختتام پذیر ہوئی۔

تعطیل عیدالاضحیٰ

دریں اثناء عیدالاضحی کی تعطیل کا اعلان بھی وقت سے پہلے آویزاں کردیا گیا تاکہ دور دراز کے اساتذہ اور طلبہ ٹکٹ کا مسئلہ بہ آسانی حل کرسکیں۔ اعلامیہ کے مطابق ۶رذی الحجہ سے ۲۰رذی الحجہ (۱۷راگست تا ۳۱راگست ۲۰۱۸ء) عید قرباں کی تعطیل رہے گی۔ ۲۰رویں ذی الحجہ سے تعلیم شروع ہوجائے گی۔

دور دراز کے بیش تر طلبہ اپنے اپنے وطن چلے جاتے ہیں، تاہم بعض طلبہ یہیں مقیم رہتے ہیں۔ ایسے طلبہ کے لئے مطبخ جاری رہتا ہے۔ عید قرباں کے ایام میں ان کی ضیافت کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کی وفات حسرت آیات پر جامعہ کا اظہارِ تعزیت

گجرات کی مؤقر شخصیت، بے مثال عالمِ دین، باکمال مصنف وادیب حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب کی گذشتہ دنوں وفات ہوگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کئی ماہ سے صاحبِ فراش تھے، ان کے انتقال کی خبر سے جامعہ میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ ان کی روح کی

تسکین کے لئے قرآن پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا گیا۔

اس موقع پر ایک مجلس بھی منعقد ہوئی جس میں اساتذۂ کرام نے اپنے دلی تاثرات وجذبات کا اظہار کرتے ہوئے مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب نے فرمایا کہ مرحوم گجرات کی علمی اور عبقری شخصیت تھے۔ان کا کتابی اور قلمی ذوق مثالی تھا، وہ ایک زبردست منتظم کی صورت میں ملت کے سامنے آئے۔جامعہ اسلامیہ فلاح دارین ترکیسر ان کے اہتمام میں بامِ ثریا تک پہنچا اور اس کی خدمات جریدۂ عالم پر ثبت ہوئیں، ان کے کارنامے بلاشبہ سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جامعہ کے استاذ حدیث محترم جناب مولانا عبد الرشید صاحب بستوی زید مجدہم نے کہا کہ مولانا کاپودرویؒ میں اسلاف کی ادائیں پائی جاتی تھیں، وہ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔گجرات میں ان کے پائے کا کوئی عالم نہیں تھا، اپنی ریاست کو علمی استحکام بخشنے میں ان کا نمایاں مقام ہے۔انہیں اپنے صوبے کا مفکر اسلام بھی کہا جاتا تھا۔

راقم الحروف فضیل احمد ناصری نے مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا عبداللہ کاپودرویؒ صاحب جوہر شناسی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔جامعہ فلاحِ دارین ترکیسر میں انہوں نے قابل اساتذہ کو جمع کر کے جامعہ کو ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا نمونہ بنادیا۔انہیں ''رئیس الجامعہ'' کے لقب سے جانا جاتا تھا۔ ان کے انتقال سے ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، جس کا پر ہونا بظاہر ممکن نہیں۔خدا تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں مقام بلند عطاء فرمائے، آمین۔اس موقع پر حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم اور اساتذۂ جامعہ نے مولانا مرحوم کے خانوادے کو تعزیت مسنونہ بھی پیش کی۔

قاری بلال احمد صاحب کی والدہ کا انتقال

جامعہ کے قدیم استاذ محترم جناب قاری بلال احمد صاحب چالاک پوری زید مجدہم کی والدہ کا اچانک انتقال ہوگیا۔قاری صاحب اس وقت افریقہ کے سفر پر تھے۔والدہ کی وفات کا یہ سانحہ شعبان کے اواخر میں پیش آیا۔والدہ کی وفات سے چند ماہ پیش تر ان کے والد جناب حبیب صاحب بھی راہیٔ آخرت ہوگئے تھے۔اس سانحے پر حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم نے قاری صاحب اور ان کے اہل خانہ کو قاری صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچ کر تعزیت مسنونہ پیش کی۔



Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband

Register from Registrar of Newspapers for India U.P. URD.2000/R.N.10663

Contact: (Off) 01336-220471, Mob. +91 8006075484

Email: ahmadanzarshah@gmail.com

Printed & Published by Syed Ahmad Khizar Shah,
Mohtamim of behalf of JIMAS, Behind Eidgah, DBD
and Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers, Deoband



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



مسجد انور شاہ



کتب خانہ



دارالاقامہ کا اندرونی منظر



دارالاقامہ کا بیرونی منظر

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah

A/c No. 520101265117956

Corporation Bank Deoband, IFSC Code: CORP0000786